ماہنامہ الفرقان ربوہ

جون سنہ ۱۹۵۶ء

سالانہ چندہ: - پانچ روپے پیشگی

قیمت پرچہ ہذا: - آٹھ آنے

نائب ایڈیٹران:
- قاضی محمد نذیر لائلپوری
- میاں مسعود احمد دہلوی بی۔ اے

ایڈیٹر

ابو العطاء جالندھری

مندرجات

(۱) معیارِ صداقت	ایڈیٹر	ص۱
(۲) اسلامی جماعت مولانا مودودی کو اسلام کے کسی مسئلہ میں سند نہیں مانتی	"	ص۶
(۳) عالیہ سیلابوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامی پیشگوئیاں۔	جناب چوہدری احمد الدین صاحب بلیڈر گجرات	ص۹
(۴) ختم نبوت اور اسکے تقاضے۔	ایڈیٹر	ص۱۹
(۵) شذرات	"	ص۲۳
(۶) امن کی بنیاد	جناب قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے	ص۲۵
(۷) بنی اسرائیل کے اسباط عشرہ کی تلاش قدیم ہندوستان میں۔	جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائل پور	ص۳۳
(۸) بہائی تحریک اور احمدیت (قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی پیشگوئیوں کا کھلا کھلا ظہور۔	ایڈیٹر	ص۴۰

ضروری اعلان

رسالہ الفرقان کے بقایا دار حضرات سے درخواست ہے کہ وہ از راہِ کرم سیدنا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ کا سالانہ جلسہ ۱۹۵۵ء کا ارشاد ذیل بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

"پھر رسالہ الفرقان ہے جو انصار اللہ کا آرگن ہے۔ انصار اللہ کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر اسکے دین کی مدد کرنیوالے لیکن اگر انصار اللہ اپنے رسالہ کی بھی مدد نہیں کر رہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی کیا خدمت کرنی ہے۔ میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ ۳۰-۴۰ ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیے اور اسکی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اسکے معنے یہ ہیں کہ انصار اللہ کو اپنی ذمہ داری کا پورے طور پر احساس نہیں ہے۔" (الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۵ء)

ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ کبھی رسالہ الفرقان بند ہوا تو اس کی ذمہ داری محض بقایا دار حضرات پر ہوگی۔ اور ان کے نام رسالہ میں شائع کر دیئے جائیں گے ——— (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ | جون سنہ ۱۹۵۶ء | الفرقان | ذوالقعدہ سنہ ۱۳۷۵ھ | شمارہ ۶

معیارِ صداقت

انیس سو (۱۹) برس پہلے کی بات ہے کہ عیسائی اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے تھے لوگ ان کے دلائل کی قوت کی وجہ سے قائل ہوجاتے تھے۔ اس پر یہودی علماء کو بہت پریشانی ہوئی۔ انہوں نے عوام کو بھڑکا دیا۔ چنانچہ مسیحیوں کو بہت مشکلات پیش آئیں۔ تاہم مخلص مسیحی ہمدردانہ طور پر تبلیغ کرتے رہے۔

ایک جگہ عیسائی تبلیغ کرنے والوں پر تشدد کیا جا رہا تھا۔ انہیں قید وبند کی مصائب میں مبتلا کیا جا رہا تھا کہ ایک یہودی فریسی گملی ایل نامی نے یہودیوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ:-

"ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہوگئے تھے مگر وہ مارا گیا اور جتنے اسکے ماننے والے تھے سب تتر بتر ہوگئے اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور کچھ لوگ اپنی طرف کرلئے۔ وہ بھی ہلاک ہوا اور جتنے اسکے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوگئے۔ پس اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور ان سے کچھ کام نہ رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو۔ کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا تو آپ برباد ہوجائے گا لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کرسکو گے!"

(اعمال $\frac{۵}{۳۶-۳۹}$)

ہمیں معلوم نہیں کہ اسوقت کے یہود اپنے عالم گملی ایل کی آواز کے شنوا ہوئے یا نہ ہوئے۔ مگر یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ عیسائیت پھیل گئی اور یہودی اپنی ہر قسم کی کوششوں کے باوجود عیسائیوں کو مغلوب نہ کرسکے۔

قرآن مجید نے بھی اعلان فرمایا ہے کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز (المجادلہ) کہ اللہ تعالیٰ نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی قوت کا مالک اور غالب ہے۔

یہ تو پرانے زمانہ کی باتیں ہیں۔ حال کی بات سنیں کہ

چودھویں صدی کے سر پر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے دعویٰ فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لئے مجدّد و مامور بنا کر بھیجا ہے اور اس نے مجھے **مسیح موعود** قرار دیا ہے۔ اس زمانہ کے لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور آپ کے ماننے والوں کو ہر قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بنایا اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے مگر خدائی سلسلہ روز بروز ترقی کر رہا ہے اسے دن بدن استحکام حاصل ہو رہا ہے۔ اس ترقی کو دیکھ کر عام علماء عموماً اور "اسلامی جماعت" والے خصوصاً بہت برافروختہ ہیں مگر ان کا اندازِ فکر قرآنی نہج پر غور کرنے کے بجائے اور ہی رنگ میں ہوتا ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ وہ گملی ایل فریسی کی طرح یہ بھی نہیں کہتے کہ:-

یہ کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا تو
آپ برباد ہو جائے گا لیکن اگر خدا کی
طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب
نہ کر سکو گے۔

بلکہ وہ اپنے سیاسی اور خود تراشیدہ طریقوں سے اس آسمانی مشعل کو بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مدیر المنیر لکھتے ہیں:-

"ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس سانحہ کی وجوہ کیا ہیں کہ اُمّت کے اندر سے ایک شخص اُٹھتا ہے وہ غیر مبہم الفاظ میں اپنے آپکو "نبی اللہ" کہتا ہے۔ اُمّت کے علماء کامل اجماع کے ساتھ اسے ملّتِ اسلامیہ سے خارج قرار دیتے ہیں بعض یا ٹھول کا وجود باقی ہی اسلئے ہے کہ وہ ختمِ نبوّت کے کاروبار کو ہدفِ مخالفت بنائے ہوئے ہیں لیکن **باایں ہمہ مدعیٔ نبوّتِ کاذبہ کا سلسلہ قائم ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے** —— ہم اس دلیل کو لغو سمجھتے ہیں۔ کہ کوئی جھوٹا سلسلہ اگر دس بیس پچاس یا سو دو سو سال تک قائم رہے تو یہ اس کی **صداقت کی دلیل** ہے۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ اگر کتاب اللہ اور احادیثِ نبوی کی رو سے کوئی چیز باطل ہے تو خواہ وہ دس ہزار سال تک قائم رہے اور اسے دنیوی عنایات سے ملکوں پر حکمرانی کرنے کا موقع بھی مل جائے تو اس کے باطل ہونے میں شبہ ایمان سے محرومی ہے۔ حق اور باطل کا معیار دنیا میں قائم اور مستحکم ہونا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلطان (دلیل واضح) کا پایا جانا ضروری ہے۔

آخر اس کی وجوہ کیا ہیں؟ کیا ہماری کوششوں کا کوئی پہلو ایسا تو نہیں کہ اس میں کوئی نقص ہو یا ہم نے جو اندازِ مخالفت اختیار کیا ہے کہیں اس میں کوئی ایسی خرابی تو نہیں کہ نتیجہ اُلٹ برآمد ہو رہا ہے۔"

(المنیر لائل پور ۲۴ اپریل ۱۹۵۶ء)

آگے چلنے سے پہلے ہم اپنے معزز قارئین کو اقتباس کے آخری الفاظ کی طرف خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں فاضل مدیر کو مسلّم ہے کہ "نتیجہ اُلٹ برآمد ہو رہا ہے"۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ تحریک احمدیت نیست و نابود ہو جائے۔ مگر

"اس میں استحکام پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے"

اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود جناب فاضل مدیر صاحب کا دھیان اس طرف نہیں جاتا کہ یہ "الٹ نتیجہ" اسلئے برآمد ہو رہا ہے کہ احمدیت خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ ہے۔ اسی لئے سارے علماء کی مخالفتیں اور تمام لوگوں کی کوششیں ساٹھ برس سے اکارت جا رہی ہیں۔ کیا یہ کوئی عقدۂ لاینحل ہے؟ کیا اس انتہائی واضح مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بھی ہمارے بھائی تیار نہیں؟ خدا ترسی سے غور کریں تو آپ پر فوراً کھل جائیگا کہ آپ کی انتہائی کوششوں کے باوجود نتیجہ کا الٹ نکلنا اللہ تعالیٰ کے وعدہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی کا اظہار ہے۔ اور یہ احمدیت کی صداقت کی نہایت واضح دلیل ہے۔

ہمیں فاضل مدیر المنیر کے اس بیان سے تو اتفاق ہے کہ سچے مدعیٔ نبوت کے لئے "اللہ کی جانب سے سلطان (دلیل واضح) لایا جانا ضروری ہے" مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ "دلیل واضح" کیا ہے اور کیا منکرین انبیاء اس "دلیل واضح" کا اعتراف کرتے آئے ہیں؟

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے مخالف جملہ دلائل و براہین و بیّنات کے باوجود یہی کہتے رہے ہیں۔ یا ہود ما جئتنا ببینۃ (سورۃ ہود) اے ہود! تو نے ہمارے سامنے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ لو لا اُنزل علیہ آیۃ من ربہ۔ یعنی اس پیغمبر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیوں کوئی دلیل واضح نازل نہیں ہوتی؟

حقیقت یہ ہے کہ کسی مدعیٔ نبوت کا ہلاکت سے محفوظ رہ کر لمبی مہلت (مثلاً تیئیس ۲۳ سال) پانا اور اسکے سلسلہ کا مضبوط و مستحکم ہو جانا خود سلطان یعنی دلیل واضح ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے جھوٹے طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہو اور وہ ہلاکت سے محفوظ رہا ہو اور اس کا سلسلہ لمبے عرصہ تک استحکام پذیر ہوا ہو۔ منہ سے مدیر المنیر جو چاہیں کہیں مگر وہ تاریخ عالم سے ایک مثال پیش نہیں کر سکتے کہ

مدعیٔ نبوت کاذبہ کا سلسلہ قائم ہے اور
اس میں استحکام پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔

آج تک اُمت محمدیہ کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ جھوٹی نبوت کا دعویدار جلد ہلاک ہوتا ہے۔ اسے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرصۂ نبوت (تیئیس سالہ عرصہ) تک مہلت نہیں مل سکتی اور نہ ہی اس کا سلسلہ استحکام حاصل کر سکتا ہے۔ چند حوالجات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عقائد کی مشہور کتاب "شرح العقائد النسفی" میں لکھا ہے:-

فان العقل یجزم بامتناع اجتماع
ہٰذہ الامور فی غیر الانبیاء
وان یجمع اللہ تعالیٰ ہٰذہ الکمالات
فی حق من یعلم انہ یفتری علیہ

ثم یمهله ثلاثاً وعشرین سنة
(ص۱۰۰ مطبع مجتبائی)
ترجمہ: "عقل اس بات کو محال سمجھتی ہے
کہ یہ امور غیر نبیوں میں جمع ہوں۔ نیز یہ کہ
اللہ تعالیٰ اس شخص میں یہ کمالات جمع کر دے
جو اس کے علم میں مفتری اور کاذب ہے۔
اور پھر وہ اسے تئیس ۲۳ سال مہلت بھی دیدے"

(۲) شرح العقائد کی شرح النبراس میں علامہ عبدالعزیز
لکھتے ہیں:۔

"وقد ادعی بعض الکذابین
النبوة کمسیلمة الیمامی و
الاسود العنسی وسجاح
الکاهنة فقتل بعضهم وتاب
بعضهم وبالجملة لم ینتظم امر
الکاذب فی النبوة الا ایاماً
معدودة" (النبراس ص۴۴۴ مطبوعہ
میرٹھ)

ترجمہ:۔ بے شک بعض لوگوں نے نبوت
کاذبہ کا دعویٰ کیا جیسا کہ یمامہ کے مسیلمہ
اور اسود عنسی اور سجاح تھے لیکن ان میں
سے بعض تو قتل ہو گئے اور بعض نے توبہ
کر لی۔ بہر حال نبوت کاذبہ کے مدعی
کا کاروبار صرف چند دنوں تک ہی
چلا ہے۔"

(۳) حضرت امام ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:۔

"نحن لا ننکر ان کثیراً من
الکذابین کان فی الوجود ظهرت
له شوکة ولکن لم یتم له امره
ولم تطل مدته بل سلط علیه
رسله واتباعهم فمحقوا اثره
وقطعوا دابره واستاصلوا
شافته هذه سنته فی عباده
منذ قامت الدنیا الی ان
یرث الارض ومن علیها"
(زاد المعاد جلد اول ص۵)

ترجمہ:۔ "ہمیں مسلّم ہے کہ بہت سے جھوٹے
مدعی پیدا ہوئے اور ابتدا میں انکی شوکت
بھی ظاہر ہوئی لیکن ان کا کام تکمیل کو نہ
پہنچا اور نہ ہی انہوں نے لمبی مدت پائی
بلکہ جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادوں
اور ان کے پیروؤں کو جھوٹے نبی پر مسلط
کر دیا۔ انہوں نے اس کا نشان مٹا دیا
اس کی جڑیں کاٹ دیں اور اس کے سلسلہ
کو نیست و نابود کر دیا۔ جب سے دنیا
قائم ہے اور جب تک قائم رہیگی اللہ تعالیٰ
کی اپنے بندوں میں یہی سنت جاری رہیگی۔"

(۴) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔

(الف) "نظام عالم میں جہاں اور قوانین
خداوندی ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب
مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا

کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے"
(ب) "دعویٔ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہوگا"
(ج) "واقعات گذشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت پہنچتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے مسیلمہ کذاب اور عبید اللہ عنسی کے واقعات تاریخ دانوں سے پوشیدہ نہیں کہ کس طرح ان دونوں نے اپنے اپنے زمانہ میں حضور اقدس فداہ روحی کا جاہ و جلال دیکھ کر دعوے نبوت کے کئے اور کیسے کیسے خدا پر جھوٹ باندھے لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آکر کچلے گئے اور کس ذلت اور رسوائی سے مارے گئے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ حالانکہ تھوڑے دنوں میں بہت کچھ ترقی کر چکے تھے مگر تابکے؟"
(مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۲ و حاشیہ ص۱۲)

ان تاریخی اور مستند حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ کاذب مدعی نبوت کو نہ لمبی مہلت ملتی ہے اور نہ ہی اس کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ یہی قرآن مجید اور تورات کا فیصلہ ہے اور اسی کی واقعات زمانہ نے تائید کی ہے۔ اندریں حالات یہ سوال نہایت اہم ہے کہ پھر کیا وجہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کے طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ علماء کے جم غفیر نے آپ پر فتوے بھی دیئے۔ آپ کی شدید ترین مخالفت کی مگر بایں ہمہ بقول مدیر المنیر:۔
"یہ سلسلہ قائم ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔"

بھائیو! اللہ تعالیٰ کی اس فعلی شہادت سے یقیناً ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کاذب اور مفتری نہ تھے بلکہ صادق اور راستباز فرستادہ ربانی تھے۔ مبارک وہ جو خدا کے مامور پر ایمان لائیں۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے۔

افترا ان کی نگاہوں میں ہمارا کام ہے
یہ خیال اللہ اکبر کس قدر ہے نابکار
کیا تمہاری آنکھ سب کچھ دیکھ کر اندھی ہوئی
کچھ تو اس دن سے ڈرو یارو کہ ہے روز شمار
آنکھ رکھتے ہو ذرہ سوچو کہ یہ کیا راز ہے
کس طرح ممکن کہ وہ قدوس ہو کاذب کا یار
یہ کرم مجھ پر ہے کیوں کوئی تو اس میں بات ہے
بے سبب ہرگز نہیں یہ کاروبار کردگار
میں اگر کاذب ہوں کذابوں کی دیکھوں گا سزا
پر اگر صادق ہوں پھر کیا عذر ہے روز شمار
میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسمان سے وقت پر
میں وہ ہوں نور خدا جس سے ہوا دن آشکار

"اسلامی جماعت" مولانا مودودی کو اسلام کے کسی مسئلہ میں سند نہیں مانتی

حوالہ مل جانے کے بعد المنبر کی "اخلاقی جراءت" کا شاندار نمونہ

"میاں طفیل محمد صاحب قیم جماعت اسلامی" نے اپنے مضمون "مسئلہ کشمیر اور جماعت اسلامی" میں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے متعلق لکھا تھا کہ:-

"پاکستان، ہندوستان، آزاد قبائل اور کشمیر ہر جگہ کے لوگوں کے نزدیک مولانا اس زمانہ میں اسلام کی ایک مانی ہوئی ہستی تھے اور اسلام کے ہر مسئلہ میں سند تھے اور ہیں۔" (روزنامہ قاصد لاہور کشمیر نمبر ۸ ستمبر ۱۹۵۰ء ص۱)

ہم نے یہ حوالہ رسالہ الفرقان "جماعت اسلامی نمبر" بابت مئی جون ۱۹۵۵ء میں شائع کیا۔ جسے کراچی کے رسالہ طلوع اسلام نے اپنی اشاعت ۲۵ جون ۱۹۵۵ء میں نقل کیا اور نیچے بطور حوالہ لکھ دیا "قاصد کشمیر نمبر بحوالہ الفرقان بابت مئی جون ۱۹۵۵ء ص۹۱"۔

مودودی جماعت کے ہفت روزہ المنبر لائل پور نے اس پر اپنے "مولانا عبدالغفار حسن صاحب" کا ایک مضمون چھ ماہ بعد شائع کیا اور اس میں لکھا کہ:-

"قیم جماعت اسلامی کی طرف منسوب کردہ عبارت قاصد کشمیر میں تلاش کی گئی لیکن ناکامی ہوئی۔ احتیاطاً الفرقان لکھنؤ بابت ماہ مئی جون بھی دیکھا گیا لیکن اس میں بھی یہ حوالہ نہیں ملا۔ نہ معلوم الفرقان سے کونسا الفرقان مراد ہے۔ بہرحال طفیل محمد صاحب نے اس قسم کی عبارت قاصد کشمیر نمبر تو کجا کہیں بھی نہیں لکھی ہے۔" (المنبر ۱۱ جنوری ۱۹۵۶ء)

ہم نے الفرقان بابت جنوری ۱۹۵۶ء میں لکھا کہ:-

"ہمیں حیرت ہے کہ اتنے بڑے مولانا صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ رسالہ الفرقان ربوہ سے شائع ہوتا ہے۔ حالانکہ المنبر میں اسی الفرقان کا متعدد مرتبہ ذکر آ چکا ہے۔"

پھر ہم نے مذکورہ بالا حوالہ دوبارہ نقل کرتے ہوئے پُر زور الفاظ میں اعلان کیا کہ:-

"اخبار قاصد کا کشمیر نمبر ہمارے پاس موجود ہے اگر جناب ایڈیٹر صاحب المنبر چاہیں تو انہیں دکھا سکتے ہیں۔" (الفرقان جنوری ۱۹۵۶ء)

ظاہر ہے کہ اخبار المنبر کے لئے کوئی راستہ باقی نہ تھا الفاظ موجود ہیں، اخبار موجود ہے۔ ہم ایڈیٹر صاحب کے سامنے اخبار قاصد پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان حالات میں کیا کیا جا سکتا تھا۔ آخرکار جناب مدیر صاحب المنبر نے کمالِ غرور و نخوت

کے بعد "تحلیل و تجزیہ" کا بامعنی عنوان مقرر کیا اور ۱۰ رمئی ۱۹۵۶ء
کے المنیر میں اس عنوان سے ایک طویل مضمون شائع فرمایا۔
جس میں لکھا کہ :-

"ان دنوں ہم نے کشمیر کا قاصد نمبر[1] تلاش
کیا لیکن سعی بسیار کے باوجود ہمیں یہ پرچہ
دستیاب نہ ہوسکا (جناب مولانا عبدالغفار حسن
صاحب سے کیوں دریافت نہ فرمالیا جو فرما چکے
تھے کہ "قیم جماعت اسلامی کی طرف منسوب کردہ
عبارت قاصد کشمیر نمبر میں تلاش کی گئی لیکن
ناکامی ہوئی"۔ ناقل) اب گزشتہ ہفتہ
ہمیں اس نمبر کی ایک کاپی مل گئی ہے ہم نے
اس حوالہ کو تلاش کیا۔ حسب ذیل الفاظ ملے
پاکستان، ہندوستان، آزاد قبائل اور
کشمیر ہر جگہ کے لوگوں کے نزدیک مولانا
اس زمانہ میں اسلام کی ایک مانی ہوئی ہستی
تھے اور اسلام کے ہر مسئلہ میں سند تھے
اور ہیں (قاصد کشمیر نمبر ص۱)"

اب جب حوالہ مل گیا اور المنیر کو طوعاً و کرہاً یہ اقرار کرنا پڑا کہ قاصد کشمیر نمبر میں الفرقان کا پیش کردہ حوالہ لفظ بلفظ موجود ہے تو بقول خود اس میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہیئے تھی کہ وہ اپنی اس غلطی کا کھلے بندوں اعتراف کرے۔ آیئے! ہم بتائیں کہ "اسلامی جماعت" کے اس ترجمان نے "اپنا دینی اور اخلاقی فرض" کن الفاظ میں ادا کیا اور کس طرح "اپنی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف" کیا ہے جناب مدیر صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

"حوالہ مل چکا ہے اور طلوع اسلام و
الفرقان دونوں نے اس حوالہ میں خیانت
کی ہے اور نہ غلط بیانی"
(المنیر ۱۰ رمئی ۱۹۵۶ء)

- یہ ہے ان لوگوں کا "اپنی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف" جناب عالی! ہماری "خیانت" اور "غلط بیانی" کی نفی کا نام آپ نے "اپنی غلطی کا کھلے بندوں اعتراف" رکھ دیا ہے کتنا کرم کیا آپ نے اور کتنی مہربانی فرمائی ہے آپ نے؟ انصاف پسند ایڈیٹر صاحب! جب حوالہ مل چکا ہے تو خدا خوفی سے کام لیکر کچھ اپنی غلطی کا بھی اعتراف فرمائیں ہاں کچھ ان مولانا حسن صاحب کی ثقاہت اور حدتِ بصر کی بھی تو داد دیں جو کہتے تھے کہ "عبارت قاصد کشمیر نمبر میں تلاش کی گئی لیکن ناکامی ہوئی"۔ کیا انہوں نے غلط بیانی کی تھی یا انہیں نظر ہی نہیں آتا؟ آپ ہی انصاف کیجئے کہ آپ کا یہ انداز "اخلاقی جرأت" کہلا سکتا ہے؟

مندرجہ بالا "حقیقت پسندانہ" تحریر کے باوجود فاضل مدیر المنیر رسالہ طلوع اسلام اور الفرقان سے کہتے ہیں کہ "کیا آپ سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ نے اپنے اپنے ناظرین کو اس حوالہ کی بنیاد پر جس غلط فہمی (؟) کا شکار بنایا ہے دیانت اور اخلاق کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ توضیح بھی اپنے صفحات میں شائع کردیں ہم اس کے منتظر رہیں گے"

ہم مدیر المنیر کی اس خواہش کے احترام میں ان کی

[1] الفرقان: جناب! "کشمیر کا قاصد نمبر" نہیں "قاصد کا کشمیر نمبر" لکھیے۔ اتنے عرصہ کے بعد اعتراف کرتے وقت بھی یہ بدحواسی؟ -

"توضیح" انہی کے الفاظ میں درج ذیل کرتے ہیں :-

(الف) "جماعت اسلامی کا کوئی رکن یہ تسلیم نہیں کرتا کہ مولانا مودودی دین میں سند ہیں۔"

(ب) "رسول خدا کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی ورہنمائی تسلیم نہ کرے۔ دوسرے انسانوں کی پیروی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے تحت ہو۔ نہ کہ ان سے آزاد۔"

(ج) "ہمارا خیال ہے کہ میاں طفیل محمد صاحب نے محولہ بالا مضمون میں یا تو لفظ سند کو قابلِ اعتماد کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور یا پھر وہ عوام کی بات کہہ رہے ہیں نہ کہ ان کے نزدیک بھی مولانا کا یہی مقام ہے۔"

(د) "یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ اس مفہوم کو متعین کئے بغیر اور اس کے شرعی اور منطقی نتائج پر نگاہ رکھے بغیر ان کے قلم سے نکل گیا ہو۔"

ہمیں امید ہے کہ مدیر المنیر اپنی اس "توضیح" اور بقول خود "تاویل" کے شائع کئے جانے پر اظہارِ اطمینان فرمائینگے ہمارے ناظرین تو نہ پہلے کسی غلط فہمی کا شکار تھے اور نہ ان کی اس "تاویل" کے پڑھنے سے انہیں کوئی غلط فہمی ہو سکتی ہے بلکہ انہیں تو مدیر المنیر کی بے بسی اور بیچارگی پر رحم آ رہا ہے۔ پہلے المنیر والوں نے کہا کہ میاں طفیل محمد صاحب نے کہیں نہیں لکھا کہ مولانا مودودی اسلام کے ہر مسئلہ میں سند ہیں۔ لیکن جب عبارت اور اعتماد سامنے رکھ دیئے گئے تو اب یہ جرأت نہیں کہ کہیں کہ میاں طفیل محمد کا بیان غلط ہے ہم اس سے برأت کرتے ہیں۔ بلکہ اب اس کی "تاویلیں" کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان کی یہ مراد ہو یا وہ مراد ہو۔ بندۂ خدا سیدھی بات ہے۔ میاں طفیل محمد صاحب زندہ ہیں ان سے صاف اعلان کرا دو کہ میں نے پہلے غلط لکھا تھا۔ در اصل ہم لوگ مولانا مودودی کو اسلام کے کسی مسئلہ میں بھی سند نہیں مانتے انہیں یونہی امیر مان رکھا ہے۔ جب تک ایسا واضح اعلان نہ ہوگا یہ "دھبہ" نہیں دُھل سکتا کہ اسلامی جماعت والے مولانا مودودی کو "اسلام کے ہر مسئلہ میں سند" مانتے ہیں۔ کیا آپ اس مشورہ پر عمل کریں گے ؟ بہرحال "جماعت اسلامی" کو یہ سبق تو حاصل ہو گیا ہے کہ الفرقان کے پیش کردہ حوالہ کی تردید ناممکن ہے۔

آخر میں ہم فاضل مدیر المنیر سے کہنا چاہتے ہیں کہ وہ ازراہِ مہربانی یہ تو فرمائیں کہ وہ مولانا مودودی کا کیا مقام سمجھتے ہیں۔ آپ کے "دستور" کے رو سے تو خلفاءِ راشدین، اولیاءِ اُمت اور آنے والے مسیح و مہدی بھی "سند" نہیں ہو سکتے۔ اس لئے مولانا مودودی کے متعلق محض منفی پہلو کافی نہیں۔ ان کا اصل مقام بھی تو ظاہر کیا جائے۔

حالیہ سیلابوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی الہامی پیشگوئیاں

آپؑ کی صداقت کا عظیم الشّان نشان

(از جناب چودھری احمد الدین صاحب پلیڈر گجرات)

بارش اعتدال سے بقدرِ ضرورت ہو تو خدا کی رحمت ہوتی ہے جس سے انسان، حیوان اور چرند پرند متمتع ہوتے ہیں لیکن اگر حد سے زیادہ ہو جس سے خطرناک سیلاب رونما ہو تو زحمت اور عذاب الٰہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ کی قوم کی نافرمانی اور تکذیب کی وجہ سے آسمان سے موسلادھار بارش نازل ہوئی اور زمین سے پانی کے سوتے جاری ہو گئے اور دونوں پانی مل کر ایسا ہیبت ناک سیلاب نمودار ہوا کہ اُس ملک کے تمام انسان حیوان اور چرند پرند اس کی لپیٹ میں آگئے۔ صرف حضرت نوحؑ اور ان کی مختصر جماعت اور کچھ جانور جو وحیٔ الٰہی کے مطابق بنائی ہوئی کشتی میں بیٹھے تھے باقی بچے۔

اگر زمین کے رہنے والے طرح طرح کے معاصی اور بدکرداریوں میں غرقاب ہوں اور وقت کے مامور من اللہ کی تکذیب اور اس کی قلیل التعداد جماعت کے ستانے، دُکھ دینے اور فنا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں اور دن بدن شوخیوں اور شرانگیزیوں میں بڑھتے چلے جائیں اور ایسی حالت میں غیر معمولی اور ہولناک بارش ہو اور سیلاب سے بے شمار جانوں اور مالوں کا نقصان ہو اور عالیشان عمارات گر کر خاک میں مل جائیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ سیلاب عذاب الٰہی ہے۔ جو مامور من اللہ کی تکذیب کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ اس کے متعلق صریح پیشگوئی کی گئی ہو۔ اس زمانہ میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنی صداقت کے ثبوت میں دلائلِ بیّنہ اور براہین نیرہ کے علاوہ بہت سے زمینی اور آسمانی نشان دکھائے مگر ان کی قوم نے ان دلائل اور نشانوں سے مُنہ پھیر لیا اور تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے ان کی اس قدر مخالفت اور تکذیب کی اور ان کے اور ان کے عزیزوں اور مُٹھی بھر جماعت کے خلاف جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار اور قرآن کی تعلیم کے اکنافِ عالم میں نہایت اخلاص اور جانفشانی سے پھیلانے میں لاثانی ہے اس قدر گندہ لٹریچر شائع کیا کہ دُنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر خدا کا قوی ہاتھ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو کبھی کی یہ جماعت مٹ گئی ہوتی۔ مگر خدا نے اپنے مقدس الہام کے مطابق کہ "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اسے قبول نہ کیا مگر خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دیگا" پے در پے اپنے نشان دکھائے، ایسے نشان کا اشد

مخالفوں کو یہ کہنے کے بغیر چارہ نہ رہا کہ یہ نشان عذاب الٰہی ہی ہیں مگر وہ زمین و آسمان کے مالک کا فرمودہ کہ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (ہم عذاب نہیں بھیجا کرتے جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں) بھول گئے اور نہ سوچا کہ خدا نے اپنے وعدہ کے مطابق رسول بھیجنے کے بغیر کیونکر ایسا عذاب بھیجا جو اس کے ماموریں کی تکذیب کے وقت بھیجا جاتا ہے۔

گزشتہ تین سالوں میں عدیم النظیر اور عالمگیر سیلابوں نے طوفانِ نوحؑ کی یاد تازہ کر دی اور لوگ بھیانک نظارہ دیکھ کر بول اٹھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان برہنہ تلوار کیا تھ حملہ کر رہا ہو جس کی تاب لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہم ذیل میں حضرت مرزا صاحبؑ کے اصل الہامات جو ہولناک سیلابوں کے متعلق ہیں معہ ان کی تشریح کے عقلمندوں کے غور اور فکر کے لئے لکھتے ہیں اور بعد میں سیلابوں کا حال لکھیں گے جو ملکی اخبارات میں درج ہو چکے ہیں۔

۱۔ "قلنا یا ارض ابلعی ماءک و یاسماء اقلعی۔" (اخبار بدر مورخہ یکم مئی ۱۹۰۳ء)

ترجمہ:۔ اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور اے بارش! تو تھم جا۔ (یعنی طوفانِ نوحؑ کی طرح ایک سیلاب آئیگا اور پھر بند ہو جائیگا۔ ناقل)

۲۔ سونے والو جلد جاگو یہ نہ وقتِ خواب ہے
جو خبر دی وحئ حق نے اس سے دل بیتاب ہے

زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمیں زیر و زبر
وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے

ہے سرِ راہ پر کھڑا نیکوں کی وہ مولا کریم
نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے
حیلے سب جاتے رہے اِک حضرتِ توّاب ہے

(اشتہار الندا من وحی السماء مورخہ ۲ر اپریل ۱۹۰۵ء)

۳۔ "میں آسمان سے تیرے لئے برساؤں گا۔ اور زمین سے نکالوں گا۔ پر وہ جو تیرے مخالف ہیں پکڑے جائیں گے۔ صحن میں ندیاں چلیں گی۔ اور سخت زلزلے آئیں گے۔"

(اخبار بدر ۲۴ر اگست ۱۹۰۶ء جلد ۲ ص ۳۵)

۴۔ "رَبِّ لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیّارا۔" (اخبار بدر جلد ۲ ص ۴۶ ۲ر نومبر ۱۹۰۶ء)

ترجمہ:۔ اے خدا منکروں میں سے زمین پر بسنے والا کوئی نہ چھوڑ (حضرت نوحؑ کی قرآن میں مندرجہ دعا الہام ہوئی ہے۔ ناقل)

۵۔ "آسمان ٹوٹ پڑا سارا کچھ معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔" (اخبار بدر جلد ۶ مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۰۷ء)

تشریح:۔ آسمان کے ٹوٹ پڑنے سے مراد سخت بارش ہے۔ قرآن کریم میں بھی اسی محاورہ کو استعمال

کیا گیا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یوم تشقق السماء بالغمام (۲۵/۲۶) (جبکہ آسمان بوجہ بادل کے پھٹ جائے گا۔ ناقل)

۶۔ "واستوت علی الجودی۔ فرمایا اس آیت کی طرف اشارہ ہے وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی"
(اخبار بدر جلد ۲ ملا ۱۴ر مارچ ۱۹۰۶ء)

ترجمہ:۔ پانی کم ہو گیا۔ خدا کی بات پوری ہو گئی اور کشتی جودی پہاڑ پر جا لگی۔

۷۔ "طوفان آیا۔ وہی طوفان۔ شر آئی یعنی وہی طوفان جو دنیا میں مشہور ہے جو قوم نوح پر آیا۔ ایسا طوفان مخالفین کی شرانگیزی کا نتیجہ ہوگا (ناقل) (اخبار بدر جلد ۲ ۱۶ مورخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۶ء)

۸۔ "فرمایا۔ مجھے دکھایا گیا کہ ملک میں بہت غفلت اور گناہ اور شوخی پھیل گئی ہے اور لوگ تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ جب تک خدا اپنا قوی ہاتھ نہ دکھلائے۔ بعد اسکے الہام ہوا:۔

(الف) ان شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا۔
(ب) وہ قیامت کے دن ہوں گے۔
(ج) زبردست نشانوں کے ساتھ ترقی ہوگی۔
(د) ایک ہولناک نشان۔

(اخبار بدر جلد ۲ ۱۲ر مئی ۱۹۰۶ء)

ان الہامات مندرجہ بالا اور دیگر الہامات کی بناء پر حضرت اقدس اپنی مشہور کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۲۵۶-۲۵۷ پر جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی لکھتے ہیں:۔

"وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی۔ کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اسلئے کہ نوع انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں ...... میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔"

اب ہم ناظرین کی عبرت کے لئے گزشتہ تین سالوں یعنی ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۵ء میں جو ہولناک اور تباہ کن سیلاب پیشگوئی کے مطابق آئے ان کا حال تاریخ وار لکھتے ہیں۔

سیلاب ہائے ۱۹۵۳ء

۱۔ "بہار کے دریائے کوسی کے سیلاب کی وجہ سے پچیس ہزار زمیندار بے گھر ہو گئے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۵۳ء)

۲۔ ۱۵ر جولائی ۵۳ء کو دریائے کوسی واقعہ بہار میں پھر سیلاب آیا جس سے دس لاکھ آدمی بے گھر ہو گئے ۹۰۰ دیہات تباہ ہو گئے اور دس کروڑ روپیہ کا مالی نقصان ہوا۔ (پاکستان ٹائمز ۲۶ر جولائی ۵۳ء)

۳۔ جاپان کے جزیرہ کیوشو میں تیس ہزار آدمی بھاری سیلاب کی گرفت میں ہیں۔ دو لاکھ پچیس ہزار مکانات ویران ہو گئے ہیں۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۸ر جون ۵۳ء)

اسی جزیرہ میں پھر سیلاب آیا ۴۷۴۴ مکانات غرق ہو گئے۔ گذشتہ سو سال کے عرصہ میں ایسا سیلاب کبھی نہیں آیا تھا۔ (نوائے وقت ۱۰ر جولائی ۵۳ء)

۴۔ صوبہ سندھ پاکستان میں پچاس ہزار آدمی بھاری بارش اور دریاؤں کے سیلاب کی وجہ سے بے گھر ہو گئے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۸ر اگست ۵۳ء)

۵۔ یوپی (ہندوستان) میں دو سو پچاس میل علاقہ زیر آب ہو چکا ہے اور قریباً ایک ہزار مکانات سیلاب کی نذر ہو چکے ہیں۔ (نوائے وقت یکم ستمبر ۵۳ء)

۶۔ شہر اعظم گڑھ (ہندوستان) کے علاوہ تمام ضلع سیلاب کی زد میں ہے۔ دس ہزار مکانات تباہ ہو چکے ہیں۔ (نوائے وقت ۲ر ستمبر ۵۳ء)

۷۔ ٹوکیو کی ۲۸ر ستمبر ۵۳ء کی خبر ہے کہ گزشتہ چند دنوں میں خوفناک طوفان نے جاپان کے مختلف علاقوں میں جو تباہ کاریاں کی ہیں ان کے متعلق مزید تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق طوفان سے قریباً دس لاکھ آدمی بے خانماں ہو گئے ہیں اور پانچسو آدمی ہلاک ہو گئے ہیں (سول اینڈ ملٹری

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

سیلاب ہائے ۱۹۵۴ء

۱۔ دریائے فرارد و ہیلمان دغاش ودعلاقہ کابل (افغانستان) میں سیلاب آنے کی وجہ سے ۷۹ دیہات بالکل تباہ ہو چکے ہیں اور پندرہ ہزار آدمی بے گھر ہو گئے ہیں (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۴ر اپریل ۵۴ء)

۲۔ یکم اگست ۵۴ء کی دہلی کی خبر ہے کہ بہار کے شمالی دریاؤں کے سیلاب سے اب تک دس ہزار مربع میل رقبہ زیر آب ہو چکا ہے اور بیس لاکھ اشخاص بے گھر ہو چکے ہیں۔ (نوائے وقت ۳ر ستمبر ۵۴ء)

۳۔ قزوین (ایران) میں سیلاب کی وجہ سے ۱۵۰ آدمی مارے گئے اور پندرہ دیہات تباہ ہو گئے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲ر اگست ۵۴ء)

۴۔ ۱۷ر اگست ۵۴ء کو غیاث الدین پٹھان وزیر زراعت نے بتایا کہ مشرقی بنگال میں جو تباہی خیز سیلاب آیا ہے اس کی نظیر انسانی یادداشت میں نہیں ملتی۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۰ر اگست ۵۴ء)

۵۔ ۱۳ر اگست ۵۴ء کی خبر ہے کہ شمالی ہندوستان میں کئی ہزار مربع میل رقبہ تباہی خیز سیلابوں سے اس طرح تباہ ہو چکا ہے کہ ایسی تباہی کی نظیر انسانی یادداشت میں نہیں ملتی۔ پارلیمنٹری امور کے وزیر مسٹر سنہا نے سیلاب زدہ رقبہ کے دورہ کے بعد بیان کیا کہ ۱۹۳۴ء میں بہار میں زلزلہ کی وجہ سے جو دہشتناک تباہی آئی تھی موجودہ سیلاب سے اس سے زیادہ تباہی آئی ہے۔ ہزارہا دیہات زیر آب ہو چکے ہیں۔ سینکڑوں آدمی بے گھر ہو کر درختوں، گھروں کی چھتوں اور ٹیلوں پر چڑھے

بیٹھے ہیں۔ شمالی بہار میں پچاس لاکھ آدمی سیلابوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ لوگ کچے دانے چبانے پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ جلانے کے لئے لکڑی نہیں ملتی۔ چاہات سیلاب کے پانی سے بھر گئے ہیں۔ اسلئے لوگ گدلا پانی پی رہے ہیں اور وباؤں کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

(سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۴ر اگست ۱۹۵۴ء)

۶- امریکی دفتر خارجہ کا اعلان ہے کہ اس وقت کم و بیش ایک کروڑ افراد مشرقی بنگال میں سیلابوں سے متاثر ہو چکے ہیں۔ وہاں ۵۴ ہزار مربع میل رقبہ کا ۱/۴ حصہ زیر آب ہے۔ (اخبار ملت ۲۴ر اگست ۱۹۵۴ء)

۷- تہران (ایران) سے بفاصلہ ۳ میل جانب شمال مغرب تجش کو ۹ فٹ گہرا سیلاب آیا۔ اس میں دو ہزار کے قریب زائرین جاں بحق ہو گئے۔ جو امام داؤد زادہ کے روضہ میں مصروف عبادت تھے۔

(روزنامہ الفضل ۲۴ر اگست ۱۹۵۴ء)

۸- ۲۱ر اگست ۱۹۵۴ء کو مسٹر رفیع احمد قدوائی وزیر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ شمالی بہار کے اسی لاکھ باشندگان سیلاب کی وجہ سے مشکلات میں مبتلا ہیں۔ بہار میں سیلابوں سے مالی نقصان کا اندازہ دس کروڑ کے قریب ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان، نیپال اور مغربی بنگال میں پچاس ہزار مربع میل رقبہ زیر آب ہے۔ اتنا وسیع علاقہ کبھی پیشتر سیلاب کی زد میں نہیں آیا تھا۔ (روزنامہ الفضل یکم ستمبر ۱۹۵۴ء)

۹- لاہور میں ۲۴ گھنٹوں میں پندرہ انچ بارش ہوئی۔ شہر کا ۱/۴ حصہ ۲ فٹ سے لیکر ۶ فٹ تک زیر آب ہے۔ قریباً ایک ہزار مکان زیر آب ہے۔ قریباً ایک ہزار مکان گر چکا ہے۔ اتنی بارش لاہور میں پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ (پاکستان ٹائمز ۲۵ر ستمبر ۱۹۵۴ء)

۱۰- ۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو سردار امیر اعظم وزیر دفاع نے کہا کہ پنجاب کا سارا صوبہ بارشوں اور سیلابوں کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ اندازہ ہے کہ قریباً سات ہزار مربع میل رقبہ کو سیلاب سے نقصان پہنچا ہے۔ ملتان اور مظفر گڑھ کا رقبہ متاثرہ رقبہ میں شامل کیا جائے تو دس ہزار مربع میل رقبہ سیلاب زدہ تصور کرنا چاہیئے۔

(نوائے وقت ۶ر اکتوبر ۱۹۵۴ء)

۱۱- سردار دستی قائم مقام وزیر اعظم پنجاب نے کہا کہ سیلاب کے نقصان کا اندازہ لگانا ابھی مشکل ہے لیکن پورے نقصان کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف سرکاری عمارتوں، سڑکوں اور نہروں کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ دو کروڑ روپیہ ہے۔

(نوائے وقت ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۴ء)

۱۲- ٹوکیو کی ۲۷ر ستمبر ۱۹۵۴ء کی خبر ہے کہ جاپان میں تباہی خیز طوفان آیا۔ تین ہزار آدمی جو بحری جہازوں میں تھے سمندر میں ڈوب کر مر گئے۔ اور اسی ہزار مکان خشکی میں گر گئے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۸ر ستمبر ۱۹۵۴ء)

۱۳- ضلع ملتان میں تین کروڑ اٹھاون لاکھ پچاس ہزار روپیہ کا نقصان سیلاب سے پہنچا۔ اور بارہ سو مربع میل رقبہ سیلاب سے متاثر ہوا۔ نوائے وقت ۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء

۱۴- ۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کی خبر ہے کہ ایک زبردست طوفان نے آج شمالی کیرولینا (امریکہ) کو اپنی لپیٹ میں لے لیا

جس کے نتیجہ میں سینکڑوں آدمی ہلاک اور ہزاروں
مکان پیوند زمین ہو گئے۔ جنوب مغربی ہیٹی میں
ایک سو پندرہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی
آندھی کی لپیٹ میں آ گیا۔ جس سے کئی قصبوں اور
دیہات میں تباہی پھیلی۔ (ملت ۱۵ اکتوبر ۵۴ء)

۱۵۔ ۹ ستمبر ۵۴ء کی خبر ہے کہ الجزائر میں شدید زلزلہ
سے قریباً ایک ہزار آدمی ہلاک ہوئے۔ دریا کے
پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کر لی۔
(اخبار احسان ۱۱ ستمبر ۵۴ء)

سیلاب ہائے ۱۹۵۵ء

۱۔ نئی دہلی کی ۱۱ جولائی ۵۵ء کی خبر ہے کہ بہار کے
ضلع دربھنگہ میں دریائے کوسی کی طغیانی سے چالیس ہزار
افراد بے گھر ہو گئے۔ (الفضل ۱۲ جولائی ۵۵ء)

۲۔ ۲۷ جولائی ۵۵ء کی خوشاب کی خبر ہے کہ سیلاب
کی وجہ سے ۲۷ دیہات منہدم ہو گئے ہیں۔
(الفضل ۲۸ جولائی ۵۵ء)

۳۔ یو۔پی (ہندوستان) میں سیلابوں کی وجہ سے
تیرہ ہزار دیہات تباہ ہو گئے۔ (سول اینڈ ملٹری
گزٹ ۲ اگست ۵۵ء)

۴۔ ۳ اگست ۵۵ء کی دہلی کی خبر ہے کہ سیلابوں کی
وجہ سے تیس ہزار دیہات اور بارہ قصبہ جات
یو۔پی سے لیکر آسام تک تباہ ہوئے۔ چالیس
لاکھ آدمیوں کو نقصان پہنچا۔ یہ تباہی جہاں تک
انسانی یادداشت کا تعلق ہے بے نظیر ہے۔
(سول اینڈ ملٹری گزٹ ۴ اگست ۵۵ء)

۵۔ نئی دہلی کی ۴ اگست ۵۵ء کی خبر ہے۔ کہ مشرقی
بھارت اس وقت جس تباہ کن سیلاب سے دوچار
ہے اس کی وجہ سے پچاس لاکھ افراد بے خانماں
ہو گئے اور کم و بیش چالیس ہزار دیہات زیر آب
ہو گئے ہیں۔ تازہ اطلاعات کے مطابق مشرقی
ہندوستان کے علاقوں کے دریاؤں کی سطح بدستور
بلند ہوتی جا رہی ہے۔ یو۔پی۔ بہار اور مغربی بنگال
کے مزید علاقوں کو سیلاب کا خطرہ درپیش ہے۔
تادم تحریر یو۔پی میں دس ہزار دیہات زیر آب
آ چکے ہیں۔ اور دس لاکھ سے زیادہ افراد متاثر
ہوئے ہیں۔ اس علاقے میں فصلیں مکمل طور پر تباہ
ہو چکی ہیں۔ بہار میں چار ہزار مربع میل کا رقبہ
زیر آب ہے۔ دس ہزار سے زیادہ افراد بے خانماں
ہو گئے ہیں۔ آسام اور مغربی بنگال کے درمیان
سڑکوں اور ریلوے لائنوں کو سخت نقصان پہنچا
ہے۔ طغیانی بے نظیر ہے۔ (الفضل ۵ اگست ۵۵ء)

۶۔ نئی دہلی کی ۶ اگست ۵۵ء کی خبر ہے کہ دریائے
برہم پترا اور اس کے معاونوں کے سیلابوں سے
وادئ آسام میں تیس ہزار مربع میل رقبہ زیر آب ہو گیا
ہے۔ دو کروڑ روپیہ کا نقصان مویشیوں، فصلوں
اور ذرائع آمد و رفت کی تباہی سے پہنچا۔ پانچ لاکھ
آدمی بُری طرح متاثر ہوئے ہیں۔
(پاکستان ٹائمز ۷ اگست ۵۵ء)

۷۔ لائل پور کی ۱۶ اگست ۵۵ء کی خبر ہے کہ بھاری بارش
کی وجہ سے ایک ہزار مکان گر گیا اور پانچ ہزار آدمی

بے گھر ہوگئے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱ راگست ۵۵ء)

۸۔ ۲۸ راگست ۵۵ء کی خبر ہے کہ لیہ ضلع مظفر گڑھ میں بھاری بارش کے بعد ایک شدید زلزلہ آیا جس کی وجہ سے پچاس مکان تباہ ہوئے اور تین سو مکانات کو نقصان پہنچا۔ (پاکستان ٹائمز ۲۹ راگست ۵۵ء)

۹۔ ۳۱ راگست ۵۵ء کی خبر ہے کہ دوہڑی اور لاڑکانہ (سندھ) میں تباہی خیز سیلاب کی وجہ سے ساٹھ ہزار افراد بے گھر ہوگئے۔ ایک ہزار مربع میل رقبہ زیر آب ہے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ یکم ستمبر ۵۵ء)

۱۰۔ ۶ راکتوبر ۵۵ء کی خبر ہے کہ آج لاہور کو تاریخ کے ہولناک سیلاب سے دوچار ہونا پڑا۔ دریائے راوی نے تباہی مچادی۔ شہر کے نصف سے زیادہ حصہ میں تین تین فٹ گہرا پانی ہے۔ تاریخ کا بدترین سیلاب ہے۔ حالات بد سے بدتر ہو رہے ہیں۔ دریا کا پانی سنہ ۱۹۵۰ء کے سیلاب سے ½ فٹ زیادہ ہے۔ راوی کا حفاظتی بند ٹوٹ جانے سے دریا کا پانی شہر میں داخل ہوگیا ہے۔ صبح نو بجے سے بارہ بجے تک ½۲ لاکھ افراد پانی سے متاثر ہوگئے۔ ہزاروں آدمی بے خانماں ہوگئے۔ تمام سکول، کالج اور دفاتر بند ہوگئے۔ سیلاب زدہ علاقوں میں بیسیوں کشتیاں عورتوں اور بچوں کو بچانے میں مصروف ہیں۔ (نوائے وقت ۷ راکتوبر ۵۵ء)

۱۱۔ مشرقی پنجاب میں ہولناک سیلاب کی وجہ سے امرتسر میں ہزار سے زیادہ مکانات گر گئے ہیں۔ امرتسر جموں سے کٹ گیا ہے۔ ریلوے لائن اور سڑکیں بند ہیں

جن پر تین فٹ سے پانچ فٹ تک بلند پانی بہ رہا ہے۔ دریائے جمنا میں بھی طغیانی آگئی ہے۔ دہلی کے ارد گرد کے علاقے خالی ہو رہے ہیں۔

(نوائے وقت ۸ راکتوبر ۵۵ء)

۱۲۔ ۹ راکتوبر ۵۵ء کو چودھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج لاہور پہنچنے سے پہلے ہوائی جہاز میں میں نے تمام سیلاب زدہ علاقہ کا دورہ کیا۔ بلوکی، لاہور، قصور، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور سیالکوٹ کی حالت دیکھی۔ اس کے بعد لاہور اور اس کے نواحی علاقے دیکھے ...... اس سیلاب سے جو زبردست مالی اور جانی نقصان ہوا ہے۔ اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس سیلاب سے لاکھوں افراد بے گھر ہوئے۔ گاؤں کے گاؤں بہ گئے۔ سڑکیں ٹوٹ گئیں۔ پلوں میں شگاف پڑ گئے۔ کھیتیاں تباہ ہوگئیں۔

(نوائے وقت ۱۱ راکتوبر ۵۵ء)

۱۳۔ نئی دہلی کی ۹ راکتوبر ۵۵ء کی خبر ہے کہ دریائے جمنا کی طوفانی لہریں اب لال قلعہ کی فصیل سے ٹکرا رہی ہیں۔ دریا کا پانی جو کل شہر میں داخل ہوگیا تھا۔ نظام الدین اور ہارڈنگ برج تک پھیل گیا ہے ...

.... دہلی کے ارد گرد گاؤں کے گاؤں خالی کر دیئے گئے ہیں۔ تین لاکھ سے زائد افراد کو دہلی میں پناہ دی گئی ہے۔ مشرقی پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھیم سین سچر نے بتایا کہ سیلاب کے باعث چھبیس ہزار گاؤں تباہ ہوگئے ہیں۔ ایک لاکھ ستر ہزار مکانات گر گئے ہیں۔ کپاس اور دھان کی فصلوں کی تباہی سے سولہ کروڑ

روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔ لوگوں نے اپنی جانیں بچانے کے لئے مکانوں کی چھتوں اور درختوں کی ٹہنیوں پر پناہ لے رکھی ہے کشتیوں کے ذریعہ سے آمدورفت ہو رہی ہے۔ (نوائے وقت ۱۱ر اکتوبر ۵۵ء)

۱۴۔ ۱۰ر اکتوبر ۵۵ء کی نئی دہلی کی خبر ہے کہ پنڈت جواہرلال نہرو نے اپنی نشری تقریر میں کہا کہ اس سال مشرقی پنجاب اور پیپسو میں جس قدر زبردست سیلاب آیا ہے اسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ (نوائے وقت ۱۱ر اکتوبر ۵۵ء)

۱۵۔ نئی دہلی کی ۱۲ر اکتوبر ۵۵ء کی خبر ہے کہ مشرقی پنجاب اور گوروداسپور میں تازہ اطلاعات کے مطابق سیلاب سے پچھتر ہزار مکانات تباہ ہو چکے ہیں ستاون لاکھ رقبہ میں کھڑی فصلیں بہ گئی ہیں اور اس سے قریباً تیس کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔ ستر ہزار دیہات بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ (نوائے وقت ۱۵ر اکتوبر ۵۵ء)

۱۶۔ ۵ر نومبر ۵۵ء کی لندن کی خبر کے مطابق برطانوی کولمبیا کے ایک وسیع علاقہ میں زبردست طوفان باد و باراں سے لاکھوں افراد بے خانماں ہو گئے اور کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا ہے سلسلۂ مواصلات منقطع ہو گیا ہے۔ سڑکیں ٹوٹ گئیں۔ کئی ریلیں اور پل بہ گئے۔ (الفضل ۶ر نومبر ۵۵ء)

۱۷۔ موجودہ عدیم النظیر سیلابوں سے لاہور، ملتان ڈویژن کے دس ضلعوں میں سرکاری ریلوں، نہروں، عمارتوں اور دیگر جائداد کو بارہ کروڑ روپیہ سے زائد کا نقصان پہنچا ہے۔ ۴۳۹۸ دیہات دس مذکورہ اضلاع میں متاثر ہوئے۔ ۱۱۰۹۸۸ گھروں کو نقصان پہنچا۔ جن میں سے ۷۲۹۸۵ گھر بالکل تباہ ہو گئے۔ ۵۹۲ آدمی ہلاک ہوئے اور کم از کم ۲۶۸ زخمی ہوئے۔ ۲۲۱۲۴ مویشی ہلاک ہوئے۔ ۱۲۲۳۷۳۲۰۰ ایکڑ اراضی زیر آب ہوئی جن میں سے ۹۰۲۹ زیر کاشت تھی۔ ۴۲۳۰۴۲۲ ایکڑ فصل بکلی تباہ ہو گئی۔ سرکاری غلہ کا سٹاک چار لاکھ من سے اوپر ضائع ہوا اور لوگوں کا پانچ لاکھ من غلہ برباد ہوا۔ ۱۷۷۶۵۰۰ من بھوسہ تباہ ہوا۔ بجلی کے سامانوں کو قریباً پچاس لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا۔ فوڈ ڈیپارٹمنٹ کو ۷۵ لاکھ روپیہ کا نقصان پہنچا۔ پرنٹنگ پریس لاہور کو پچیس لاکھ روپیہ کا نقصان پہنچا۔ جنگلات کے محکمہ کو ۳۱۷۶۰۰ روپیہ کا نقصان ہوا۔ متروکہ جائداد کو بڑا بھاری نقصان پہنچا جس پر کم از کم پانچ کروڑ روپیہ خرچ ہوگا۔

(یہ سب سرکاری اعداد و شمار ہیں)

(پاکستان ٹائمز ۱۱ر نومبر ۵۵ء)

۱۸۔ سان فرانسسکو کی ۲۸ر دسمبر ۵۵ء کی خبر ہے کہ کیلیفورنیا (امریکہ) میں تباہ کن سیلاب کی وجہ سے قریباً ساٹھ آدمی ہلاک ہوئے۔ پانچ ہزار کے قریب آدمی بے گھر ہو گئے۔ چودہ کروڑ تیس لاکھ ڈالر کا نقصان ہوا۔ (پاکستان ٹائمز ۲۹ر دسمبر ۵۵ء)

احمدی جماعت کا اشد مخالف اسلامی جماعت کا آرگن اخبار تسنیم لکھتا ہے:-

"اس وقت پنجاب کے مختلف اضلاع

خصوصاً لاہور، شیخوپورہ اور سیالکوٹ
میں دریائے راوی کی انتہائی خوفناک اور
اپنی نوعیت کی ہولناک ترین طغیانی کی وجہ
سے قیامتِ صغریٰ کی سی کیفیت بپا ہے۔
خوف اور سراسیمگی ہی نہیں بلکہ ایک دردناک
عذاب اور کڑی آزمائش ہے جس نے لاکھوں
انسانی جانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا
ہے۔ گزشتہ چوبیس گھنٹوں میں کئی لاکھ افراد
بے خانماں ہو چکے ہیں۔ متعدد انسانی جانیں
اور مویشیوں کی ایک کثیر تعداد تیز و تند
موجوں کی نذر ہو چکی ہے۔ ہزاروں میل کے
وسیع و عریض رقبہ میں راوی کی بپھری ہوئی
لہریں ہر قسم کی انسدادی تدابیر کو بری طرح
ناکام کرتی ہوئی ایک انتہائی خوفناک منظر
پیش کر رہی ہیں۔ شہروں کے شہر اور بستیوں
کی بستیاں تاراج ہو چکی ہیں۔ انسانی آبادی
کی کیفیت بے حد ہیجان خیز اور اضطراب انگیز
ہے۔ سیلاب زدگان کے انخلاء کا کوئی انتظام
عملاً ممکن نہیں رہا ہے۔ انسانوں کو ہلاکت
سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی سعی و جہد
کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے ....
.... تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بندگیٔ رب
کے زبانی دعووں کے علی الرغم انفرادی
اور اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ بغاوت و
نافرمانی کی شہادت دے رہا ہو تو ایسی
خطاکار قومیں بار بار عذاب الٰہی کا سامنا
کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔"

(روزنامہ تسنیم لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

اس حوالہ سے مندرجہ ذیل امور تسلیم کئے گئے ہیں:۔

(الف) یہ سیلاب ایک قیامتِ صغریٰ تھا۔

(ب) یہ سیلاب ایک دردناک عذاب اور کڑی آزمائش تھی۔

(ج) انسانی جدوجہد اس عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے بیکار تھی۔

(د) یہ سیلاب ایک طوفانِ عظیم تھا

(ھ) ایسے عذاب الٰہی خطاکار اور نافرمان قوموں پر نازل ہوا کرتے ہیں۔

ان مسلّمہ امور کو سامنے رکھتے ہوئے عقلمند اور روشنی کے فرزند غور فرمائیں کہ آیۂ کریمہ "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" میں کھلے الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ خدا کی سنت قدیمہ یہی ہے کہ پہلے خدا اپنا کوئی رسول بھیجتا ہے جو بنی آدم کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ بد اطواریوں اور بدکرداریوں کو چھوڑ دیں اور آستانہ الوہیت پر گر کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، نیک راہوں پر چلیں اور خدا کے احکام کو مانتے ہوئے فتنہ و فساد سے باز رہیں۔ اور جب وہ اس کے نصائح پر کان نہیں دھرتے بلکہ اُلٹا اس کی تکذیب کرتے، دُکھ دیتے اور ستاتے ہیں۔ تو خدا کا غضب انواع و اقسام کے عذابوں کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ پس جب کوئی غیر معمولی عذاب، ایسا عذاب جو پہلی مکذب قوموں پر نازل ہوا نازل ہو جائے تو قرآن کے ماننے والے اور اس کے متبعین یہ ماننے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ

کوئی خدا کا مامور آچکا ہو کی تکذیب کی گئی۔ اور لوگوں نے بجائے تائب ہونے کے خدا کی پرستش چھوڑ دی۔ اور فسق و فجور میں غرقاب ہو گئے۔ بلکہ خدا کی ہستی کے ہی منکر ہو گئے۔

اس زمانہ میں ساری دنیا میں صرف ایک فرد واحد ہے۔ اور وہ حضرت مرزا صاحب ہیں جنہوں نے قریباً تیس سال تک (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت سے بھی زیادہ ہے) مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے الہامات براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۲ء میں اور بعد ازاں ۱۹۰۸ء تک جو آپ کی وفات کا سال ہے متواتر اشتہاروں اشتہاروں اور کتابوں میں شائع کرتے رہے جو آپ کی پیشگوئیوں پر مشتمل تھے جو اپنے وقت پر خدا کے ارادہ سے پوری ہوئیں۔ ان موجودہ سیلابوں کے متعلق بھی جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہے الٰہی الہاموں کے ذریعہ سے پیشگوئیاں کیں جو کھلے طور پر پوری ہوئیں۔ جیسا کہ اخبارات ملکی کے مندرجہ بالا اقتباسات سے ثابت ہے۔ احمدی جماعت کو سیلاب زدگان کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ جس کا عملی ثبوت خدام الاحمدیہ نے جا بجا ان کی خدمت اور دستگیری کر کے دیا۔ کاش کہ لوگ گناہوں، نافرمانیوں اور تکذیب سے باز آتے تاکہ بے نظیر سیلابوں کے دہشتناک عذاب سے بچ جاتے۔ مگر انہوں نے ظلم کی راہ سے امن پسند اور تمام دنیا میں واحد تبلیغ اسلام کرنے والی احمدی جماعت کو اپنی کثرت کے بل بوتے پر صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے کی تا بہ امکان کوشش کی۔ جس کا بیّن ثبوت فسادات پنجاب کے تحقیقات کرنے والے کمیشن مشتمل بر دو جج صاحبان ہائی کورٹ کی تاریخی ضخیم مطبوعہ رپورٹ ہے۔

ہم ہوشمندوں اور خدا ترس سوچنے والوں کے لئے یہ نکتہ بھی عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جماعت احمدیہ کی روحانی کشتی جس پر جماعت مذکور کی مقدس ہستیاں سوار ہیں ربوہ کی پہاڑیوں پر لگی ہوئی ہے۔ جو جودی تاریخی پہاڑ کی قائم مقام اور نمائندہ ہیں اور جماعت کے مرکز کو بچانے کا قدرتی وسیلہ ہے ؛

جناب چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی نئی شادی

محترم چودھری ظفر اللہ خان صاحب ایک متدین اور پابند شریعت بزرگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہیں عالمی شہرت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے وہ بسا اوقات محسودانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ ماہ آپ نے اپنی سابقہ بیگم بدر النساء صاحبہ کو طلاق دیدی تھی اور اب دمشق میں فلسطین کی ایک احمدی مسلم مہاجر خاتون محترمہ بشریٰ ربانی صاحبہ سے شادی کی ہے۔ محترمہ بشریٰ ربانی صاحبہ ہمارے فلسطین کے زمانہ کے مخلص دوست جناب الشیخ سلیم الربانی مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ ہم اس شادی پر فریقین کو مبارکباد عرض کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شادی کو مبارک اور مثمر ثمرات حسنہ بنائے۔ آمین

معترضین کی اطلاع کیلئے ہالینڈ میں پاکستان کی نمائندہ محترمہ بیگم لیاقت علی خان مرحوم کا بیان درج کر دینا مناسب ہے جو انہوں نے لنڈن میں "نوائے وقت" کے نمائندہ کو دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:-

"میں ان کی نئی بیگم سے مل چکی ہوں۔ وہ ۸ بچوں کی ماں ۴۲ برس کی ہیں اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے سر ظفر اللہ بیگم بدر النساء کو طلاق دے چکے ہیں۔ آخر اس شادی میں کیا قباحت ہے۔" (نوائے وقت ۱۲ مئی ۱۹۵۶ء)

عقیدۂ ختم نبوّت اور اس کے تقاضے

[ہم ذیل میں جناب مولوی مودودی صاحب کی جماعت کے آرگن المنیر (لائل پور) سے ایک اہم مقالہ نقل کرتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ مدیر المنیر کے ہیں۔ ہمارے اشاریے حواشی پہ درج ہیں۔ فاضل مدیر نے ختم نبوّت کے سلسلہ میں اپنے اس عقیدہ کا ذکر نہیں فرمایا کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے مستقل نبی کی آمد کے بھی قائل ہیں۔ انہوں نے اپنے اس عقیدہ کی کوئی "تاویل" ذکر نہیں کی۔ بہرحال معزز قارئین اس مضمون کو ہمارے حواشی سمیت ملاحظہ فرما کر لطف اندوز ہوں ——— (ایڈیٹر)]

"تبلیغی جدّوجہد میں سب سے پہلا خلا ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ قادیانیت کے خلاف جو جدّوجہد شروع کی گئی اس میں مثبت اقدار کم سے کم (بلکہ بعض طبقات کی کوششوں میں بدرجہ صفر) تھیں ہم بطور مثال "ختم نبوّت" کے موضوع کو پیش کرتے ہیں، ضرورت اس امر کی تھی کہ ختم نبوّت اور تکمیلِ دین کی حقیقت کو اس رنگ میں پیش کیا جاتا اور صرف اسی کو موضوعِ سخن بنایا جاتا کہ حضور خاتم النبیین بابی ھو و امی اور آپ کے پیام (دین کامل) کے محاسن، ان کی بلندی اور واقعاتی نکتہ نگاہ[۱] سے ان کی اہمیت اور جمالیت اسلامیانِ ہند پہ اس قدر مستولی ہو جاتی کہ وہ نہ کسی دوسری نبوّت کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور[۲] نہ کوئی مدعی نبوّت ان کی نگاہوں میں لائق اعتنا ٹھہرتا لیکن ہوا یہ کہ یا تو اس مسئلہ کو خالص جذباتی انداز سے پیش کیا گیا جس سے علمی طبقہ تو متاثر نہ ہوا[۳] ہے عوام تو ان میں وقتی جذبات تو ضرور تیز ہوگئے لیکن ان میں وہ استحکام نہ پیدا ہو سکا جو سنجیدہ اور ایمان کی باتوں میں ہونا چاہیئے تھا۔ اور یا پھر اس مسئلہ کو علم کلام کا ایسا استدلالی مسئلہ بنا دیا گیا کہ ملک کی اکثریت نے اس کی تقدیس کے سوا قلبی اور ذہنی اعتبار سے اپنے اندر کوئی پختگی محسوس نہ کی اور پوری ملت کو اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا کہ صرف ایک ملک میں کئی لاکھ نفوس بدعقیدہ[۴] ہوگئے۔

چونکہ زیر مثال وہ بنیادی اور اساسی عقیدہ ہے جس پر ہمارے نزدیک اُمّت کی وحدت اور دین کے صحیح تصوّر کا مدار ہے۔ اسلئے ہم اس مسئلہ سے متعلق بعض دوسرے پہلو بھی عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

---

۱ نقل مطابق اصل ہے، درست "نقطۂ نگاہ" ہے۔

۲ سینکڑوں سالوں سے آیات و احادیث کے حوالہ سے کہا جاتا تھا کہ نبی اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو پھر یہ صورت کیسے پیدا ہو سکتی تھی؟

۳ علمی طبقہ کا غیر احمدی علماء کے بیان سے متاثر نہ ہونا ان کی ناکامی کا صریح اعتراف ہے

۴ آیت قرآنی وما لنا لا نریٰ رجالاً کنّا نعدھم من الاشرار کی آیت یاد فرماویں خوامخواہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو "بدعقیدہ" کہہ رہے ہیں۔

ختمِ نبوت اور تکمیلِ شریعت

ختمِ نبوت کی لم اور حقیقت یہ بھی اور ہے کہ سید المرسلین کی بعثت کے بعد تا قیامِ قیامت کسی بڑے سے بڑے شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہیں[۱] کہ اس کے ملفوظات اور ارشادات معصوم عن الخطا تسلیم کر لئے جائیں یا کسی شخصیت کو یہ مقام دیدیا جائے کہ ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر جملہ "شریعت بن جائے اور اس سے اختلاف کفر اور خروج عن الملت کے مترادف قرار پائے۔

لیکن اس کے برعکس ہمارے ہاں دینی حلقوں میں جو ذہنیت اختیار کی گیا وہ بالعموم یہ تھا۔ کہ یہاں ہر "حضرت" کو یہ مقدس مقام دیا گیا کہ ان کی رائے سے ذرا سا اختلاف بھی کفر سمجھا گیا اور جس شخص یا گروہ نے کسی "حضرت" کی رائے سے اختلاف کیا اسے کم از کم "فرقہ ناجیہ" سے خارجہ قرار دیا گیا۔

اب ایک عامی شخص جب روزمرہ یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ ہر فرقہ کے نزدیک کوئی حضرت یا چند "حضرات" ایسے ہیں جنکی رائے دین میں سند و حجت[۲] سمجھی جاتی ہے اور جن سے اختلاف کفر کے مترادف ہے اور دوسری جانب یہ سنتا ہے کہ نبوت سرورِ عالم پر ختم ہو چکی تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا ہے کہ یا تو وہ نبی کو خدا سمجھ لے اور یا پھر اس سے نبوت اور ختمِ نبوت کا مفہوم ہی اس کے نزدیک "گھپلا"[۳] بن جائے اور اس میں امتیاز ہی نہ کر سکے کہ اس عقیدہ کی نفی اور اثبات کے لوازمات کیا ہیں۔

ختمِ نبوت اور عملی زندگی

اسی طرح نبوت کو سید العالمین کی ذات پر ختم تسلیم کرنیکا بدیہی نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہم عملی زندگی میں اس شریعت کے متبع اور پیروکار ہوتے جسے حضورؐ نے قول و عمل سے پیش فرمایا تھا ——— اگر عملاً ایسا ہوتا تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اُمت کے دل کبھی ویران نہ ہوتے اور ان میں قادیانیت ایسا جھاڑ جھنکار نہ اگ آتا۔ لیکن جب صورت حال یہ نہ رہی اور ہم عمل میں کبھی "منوسمرتی" کو اپناتے رہے کبھی انگریزی شریعت کو ہم نے اپنے مقدمات کے لئے فیصل مانا اور کبھی ہم خود اپنے بنائے ہوئے قانون کو واجب التسلیم قرار دینے لگے تو ظاہر ہے ختمِ نبوت صرف ایک تصور و عقیدہ (نہیں بلکہ قول) کی بات رہ گئی۔ اور جو حقیقت اتنی کمزور ہو جائے ظاہر ہے اسے استحکام بہت کم نصیب ہوتا ہے۔

ختمِ نبوت اور وحدتِ اُمت

ختمِ نبوت کا ایک لازمی تقاضا یہ تھا کہ اُمتِ محمدیہ بنیان مرصوص کی حیثیت سے قائم علی الحق رہتی اس کے جملہ مکاتیب فکر اور تمام فرقوں کے مابین دین کے

---

۱ "مرتبہ حاصل نہیں" تو پھر منفی اقدار کی بات ہے۔ خدارا خاتمیت کی مثبت اقدار کی طرف بھی آنکھ اٹھائیں۔

۲ آپ بھی تو ان معنوں میں سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو "سند" مانتے ہیں۔

۳ ختمِ نبوت کے مفہوم کو "گھپلا" بنا دینے والے یہ علماء کیا ختمِ نبوت کی توہین کے مرتکب نہیں؟

۴ آپ ہی خدا ترسی سے فرمائیں کہ کیا ایسی حالت میں بھی ایسے مصلح اور مسیح کی ضرورت نہ تھی جو ساری دُنیا کو قرآن مجید کی طرف لے آتا؟ احمدیت کا نصب العین یہی ہے کہ نسلِ انسانی کو قرآن مجید کی طرف لایا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہی تعلیم پیش کی ہے کہ انسانوں کی نجات قرآن مجید میں ہے۔ آسمان پر وہی لوگ عزت پائینگے جو قرآن مجید کو عزت دیں گے۔

اساسات پر اس نوع کا اتحاد ہوتا جس نوع کا اتحاد ایک صحیح الذہن امت میں ہونا ناگزیر تھا لیکن غور کیجئے کیا ایسا ہوا[۱]؟

بلا شبہ ہم نے متعدد مراحل پر اتحاد امت کے تصور کو پیش کیا اور سب سے زیادہ قادیانیوں کے خلاف مناظرہ کے سٹیج سے ڈائرکٹ ایکشن کے پیرلنے تک ہم نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام کے تمام فرقے "یکجان" ہیں لیکن کیا حقیقۃً ایسا تھا[۲]۔ کیا حالات کی شدید سے شدید تر نامساعدت کے باوجود ہماری تلوار تکفیر نیام میں داخل ہوئی؟ کیا ہولناک سے ہولناک تر واقعات نے ہمارے فتاویٰ کی جنگ کو ٹھنڈا کیا؟ کیا کسی مرحلہ پر بھی "ہمارا فرقہ حق پر ہے اور باقی تمام جہنم کا ایندھن ہیں" کے نعرہ سے کان مانوس ہوئے؟

اگر ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی تو بتائیے اس سوال کا کیا جواب ہے کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنے والی امت کے اگر تمام فرقے "کافر" ہیں اور ہر ایک دوسرے کو جہنمی کہتا ہے تو لامحالہ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو سب کو اس کفر اور جہنم سے نکال کر اسلام اور جنت کا یقین دلا سکے۔

اگر ایک سطحی ذہن اس سوال کا جواب نہ پاکر ہماری تمام علمی کاوشوں، مناظروں اور خطابات کے علی الرغم قادیانیت کی اندھی غار میں گر جائے تو اس میں قصور کس کا ہے[۱]؟

(اخبار المنیر لائل پور ۹ مارچ ۱۹۵۶ء)

اُمّ الالسنہ نمبر

ماہ اپریل اور مئی ۱۹۵۶ء کا رسالہ اُمّ الالسنہ نمبر تھا۔ ہم نے بھارت کے ماہرینِ السنہ کو بھی دعوت دی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں الفرقان کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں بعض ہندو دوستوں نے وعدہ کیا تھا۔ علم دعوت ہے۔ (ایڈیٹر)

[۱] جب یہ تفرقہ شدید نوعیت اختیار کر چکا تھا تو کیا اسکے یہ معنے نہ تھے کہ کسی مامور ربانی کی ضرورت ہے جو ختم نبوت کے تقاضا کو پورا کر کے سب کو مرکز اتحاد پر جمع کر دے؟

[۲] خود آپ کے دل جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ مصنوعی تھا۔ کاغذ کی ناؤ بھلا کتنے دنوں تک چل سکتی تھی؟ تحسبہم جمیعاً وقلوبہم شتّی ارشادِ خداوندی ہے' ہر زمانے میں اس کی صداقت پر شواہد قائم ہوتے رہتے ہیں۔

[۱] "سطحی ذہن" نہ کہئے "خدا ترس انسان کہیئے"۔ "اندھی غار میں گر جائے" کی بجائے "روشن مینار پر چڑھ جائے" فرمائیے۔ اس میں قصور کا سوال ہی نہیں۔ فطرتی بات ہے کہ صداقت دل کو موہ لیتی ہے اور جب انسان اہل باطل کی ناکام مساعی کو دیکھتا ہے تو ایک مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ ختم نبوت کی تشریح میں جماعت احمدیہ کا مسلک کس قدر درست ہے۔ سچ مچ ختم نبوت کے تقاضا صرف احمدیت پورا کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی آنکھیں کھولے۔ آمین

شذرات

۱-عیسائی مشنوں کی تبلیغ اور مسلمانوں کیلئے لمحۂ فکریہ

امریکہ میں ایک پاکستانی پادری نے تقریر کرتے ہوئے کہا:-
"حکومت پاکستان تبلیغی انجمنوں کے
جاری کردہ تعلیمی اور طبی اداروں کو خوش آمدید
کہتی ہے۔ اس وقت کی ضرورت کے لحاظ
سے مسلمان استادوں، ڈاکٹروں اور
سرجنوں کی تعداد کافی نہیں اور مجھے یقین
ہے کہ بہت سالوں تک سرکار کو ان کیلئے
مسیحی مشنوں پر انحصار کرنا ہوگا۔ پس
مسلمانوں کے دلوں تک رسائی حاصل
کرنے کے لئے سکول، کالج اور ہسپتال
ہماری ذرائع ہیں بلکہ واجب یہ ہے کہ
ہمارے میتھوڈسٹ بورڈ کو اب مشرقی
پاکستان میں بھی اسی قسم کے ادارے قائم کرنا
اور مشن کے کام کی بنیاد رکھنا چاہیئے۔
اس ضمن میں یہ بات یاد رہے کہ مشرقی
بنگال میں جس کا نام اب مشرقی پاکستان
ہوگیا ہے مسلمانوں میں بشارتی کام کے بہت
اچھے نتیجے برآمد ہوتے ہیں اور اس میں
اس قدر مسلمان مسیحی ہوگئے کہ اتنے پاکستان
یا ہندوستان کے اور کسی صوبہ میں نہیں۔"
([illegible] ۲۳/۱۰/۵۶)

اس اقتباس سے عیسائی صاحبان کے ذرائع تبلیغ نمایاں ہوتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں مسیحی مشن جس طرح اور جن امیدوں پر کام کر رہے ہیں وہ مسلمانوں کیلئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ کیا مسلمان علماء اپنے گھریلو فساد انگیز ہنگاموں سے فرصت پاکر اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے وطن میں بھی کچھ نہ کریں گے؟

۲-اخبار "زمیندار" کا دلپسند مشغلہ

جناب مدیر "حیات" لاہور لکھتے ہیں:-
"تحریک ختم نبوت میں جو خون خرابہ
ہوا اس کی بڑی ذمہ داری "زمیندار"
پر عائد ہوتی ہے مسلمانوں نے ناموس
رسالت کے لئے جانیں تک ہار دیں۔ اس
کا پس منظر منیر انکوائری کمیٹی کے سامنے
کھل گیا ـــــ لیکن زمیندار جس کا اس
ساری تحریک میں دولت صاحب سے چولی
اور چھلنی کا رشتہ رہا ہے اب مرغوبِ شول
کے خون کی چاٹ میں نکلا ہے ـــــ اسکو
ہر لحظہ خون کی ضرورت ہے۔ اس نے
خوف خدا سے بے نیاز ہو کر ڈاکٹر ظفر الحق صاحب
کے خلاف سب و شتم کا بازار گرم کر رکھا
ہے اور قرآن و حدیث اپنی ہوس کے

جو کھنے میں سجانے شروع کئے ہیں۔"

(چٹان ۴؍جون ۱۹۵۶ء)

کیا "زمیندار" کے اس رویہ کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں؟

۳۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب پر فتویٰ

اخبار المنبر ۲؍مارچ ۱۹۵۶ء "تعارف و تبصرہ" کے زیر عنوان لکھتا ہے:۔

"عبرت کا ایک اور پہلو ملاحظہ ہو۔
بریلوی حضرات نے دیوبندیوں پر جو الزامات
لگائے ہیں ان کا اجمالی نقشہ یہ ہے:۔
"مولانا محمد قاسم نانوتوی (رحمہم اللہ تعالیٰ
وغفرلہم) ختم نبوت کے منکر اور مرزائی تھے"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا یہی قصور ہے کہ انہوں نے احمدیوں کی طرح لفظ خاتم النبیین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے **مقام مدح** پر قرار دیکر اسے وجہ فضیلت ٹھہرایا ہے۔

۴۔ "وکھت نہ پائیو قادیاں جے لکھن لیکھ قرآن"

میں ۱۲؍اپریل ۱۹۵۶ء کو رمضان المبارک میں درس قرآن کریم دینے کے لئے قادیان جاتے ہوئے امرتسر سٹیشن پر پہنچا۔ ریلوے بک سٹال پر کتابیں دیکھتے ہوئے **جپ جی** کا اردو ترجمہ نظر پڑا فوراً خرید لیا اور گاڑی میں اسے پڑھتا گیا۔ یہ مترجم جپ جی جناب مدھوسودن سنگھ صاحب نے گورونانک الیکٹرک پریس چوڑا بازار لدھیانہ میں جنوری ۱۹۵۶ء میں طبع کرا کر شائع کی ہے۔

جپ جی سکھ مذہب کی مقدس کتاب ہے جو حضرت گورونانک علیہ الرحمۃ کے پاکیزہ الفاظ میں مقدس ورثہ ہے اور سکھ صاحبان اسے "سکھ مذہب کے بنیادی اصولوں کا نچوڑ" سمجھتے ہیں۔ دیباچہ میں فاضل مترجم نے اعتراف کیا ہے کہ:۔

"سکھ مذہب کے اصول اسلام کے
اصولوں سے ہندو دھرم کے اصولوں
کی نسبت زیادہ ملتے جلتے تھے۔"

اس جپ جی میں حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ نے اکاش بانی سے فرمایا ہے:۔

"وکھت نہ پائیو قادیاں جے لکھن لیکھ قرآن"

اس مصرع کے مختلف معنے کئے گئے ہیں اور عام طور پر ترجمہ کرنے والوں نے "قادیاں" کا ترجمہ "قاضیوں" کر دیا ہے اور شائد ظاہری طور پر اس طرف ذہن جانے کی وجہ بھی موجود تھی مگر **پیشگوئیوں** میں مختلف رنگ ہوتے ہیں جس کا کوئی روحانیت کا دلدادہ سکھ بھی انکار نہیں کر سکتا۔

اس مصرع کا جبکہ اسے ایک مستقل پیشگوئی قرار دیا جائے صاف مطلب یہ ہے کہ اس میں سکھوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب اہل قادیان قرآن مجید کی تفسیر لکھ رہے ہوں گے اور اس کی اشاعت کے سامان کر رہے ہونگے اور تمہیں اس وقت ایک رنگ کا وقتی اقتدار حاصل ہوگا تو تم پر فرض ہے کہ اس وقت تم اہل قادیان کو کسی طرح سے دُکھ نہ دینا۔

میں نے **جپ جی** کے اس شلوک کا یہ مطلب تقسیم

ہندوپاکستان سے پہلے حضرت ماسٹر سردار عبدالرحمٰن صاحب نومسلم مرحوم سے سُنا تھا جسے انہوں نے بطور ٹریکٹ بھی شائع کیا تھا اور اب قادیان کے درویش حاجی فضل محمد صاحب کپورتھلوی نے بھی اس کی وضاحت بعض تحریرات میں کی ہے۔ دیگر بعض گورمکھی کے ماہرین سے بھی دریافت کیا ہے۔

میرے نزدیک حضرت باباناکؒ کے روحانی مقام کے لحاظ سے اس مصرع کے پیشگوئی ہونے کی صورت میں واقعات سے اس کی تصدیق ہوگئی ہے۔ اسلئے اگر بعض لفظی مشکلات بھی ہوں تب بھی اہل روحانیت کے نزدیک اکاتی بانی (الہام) کے پیشگوئی والے معنے زیادہ درست ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی عمر اور عیسائیوں کی بدزبانی

احباب کو معلوم ہے کہ الفرقان نے انسائیکلوپیڈیا سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تین تصاویر بلاک بنا کر شائع کی تھیں۔ یہ تصاویر پرانے عیسائیوں کا مقدس ورثہ ہے جسے مخلص عیسائی دوسری صدی سے آج تک بحفاظت سنبھالے ہوئے ہیں اور انہیں اپنے گرجوں اور عجائب گھروں میں محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ ان تصاویر میں ایک ادھیڑ عمر کی ہے اور دو بڑھاپے کی۔ جس سے عیاں ہے۔ کہ دوسری صدی کے عیسائی حضرت مسیح کو بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے والے مانتے تھے۔ اسلئے ۳۳ سال کی عمر میں ان کے آسمانوں پر جانے کا عقیدہ نادرست ہے۔ اور ایک سو بیس[۱۲۰] سال کی عمر پاکر ان کا فوت ہوجانا ہی درست ہے۔

یہ ایک نہایت واضح استدلال ہے جس کا عیسائی صاحبان کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

گوجرانوالہ کا مسیحی رسالہ "مسیحی خادم" (جون ۱۹۵۶ء) اپنے مسیحیانہ انداز میں لکھتا ہے:۔

> "خداوند مسیح کی عمر کے بارے میں مرزائیوں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے کہ ایک پرانے گرجا گھر میں سے مسیح کی ایک تصویر ملی ہے جس میں آپ ادھیڑ عمر کے نظر آتے ہیں۔ مرزائیوں نے مصوّر کے اس کارنامہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسیح جوانی کے عالم میں فوت نہیں ہوئے بلکہ ۱۲۰ برس کے قریب عمر پاکر کشمیر میں رحلت کر گئے۔ کشمیر کے خبط نے ہمارے مرزائی دوستوں کو اس قدر پریشان کر رکھا ہے کہ وہ ہر امر کو اسی عینک سے دیکھتے ہیں۔ مرزائیوں کے اس نئے شوشہ کا جواب آئندہ اشاعتوں میں دیا جائے گا۔"

بدزبانی کا جواب تو کوئی نہیں البتہ کوئی سنجیدہ بات کی گئی تو انشاء اللہ اس کا جواب عرض کیا جائیگا۔ فی الحال اتنا کہنا کافی ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے خود فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھی میرا جانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں فلسطین میں بنی اسرائیل کے صرف دو قبیلے آباد تھے باقی دس قبائل ہندوستان تک منتشر تھے اسلئے عیسائی ایڈیٹر صاحب کو کشمیر کے نام سے گھبرانا نہ چاہیئے +

امن کی بنیاد

(جناب قاضی محمد اسلم صاحب ایم - اے)

[ذیل کا نہایت قیمتی مضمون محترم جناب قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے کراچی یونیورسٹی نے امن کانفرنس پشاور میں انگریزی میں پڑھا تھا۔ اس کی افادیت کے پیش نظر مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی نے الفرقان کے لئے ترجمہ کیا ہے۔ (ایڈیٹر)]

جناب وائس چانسلر، معزز مہمان گرامی اور خواتین و حضرات!

میں سب سے پہلے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آغاز کلام فلسفہ اور علم النفس سے شغف رکھنے والے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کروں کہ انہوں نے مجھے اس اجلاس کا جنرل پریذیڈنٹ منتخب کر کے میری عزت افزائی کی اور پھر مجھے یہ موقع بھی دیا کہ میں ان کے سامنے اپنے دل پسند موضوع پر اظہار خیال کروں۔ استقبالیہ کمیٹی اور پشاور یونیورسٹی نے جس خلوص کے ساتھ ہم سب کا خیر مقدم کیا ہے میں اس پر ان کا بھی شکر گزار ہوں۔

میں نے اس موقع پر اظہار خیال کے لئے **امن** کے موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ رسم کچھ ایسی پڑ گئی ہے کہ بالعموم امن کے موضوع کو مختلف ممالک کے لیڈروں اور سیاسی گروہوں کے ساتھ ہی مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا موضوع نہیں ہے کہ جس پر فلسفہ اور علم النفس کے ماہروں کے لئے اظہار خیال ممنوع ہو اور نہ ہی سماجی سائنس کے ماہروں پر کوئی پابندی ہے کہ وہ اس بارے میں لب کشائی نہ کریں۔ اگر دیکھا جائے تو فی زمانہ یہ موضوع اس قدر اہمیت اور وسعت اختیار کر گیا ہے کہ قریباً ہر شخص بجا طور پر اپنے آپ کو اس امر کا مجاز تصور کر سکتا ہے کہ وہ بھی اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے۔

جہاں تک سماجی سائنس کے ماہرین کا تعلق ہے (انہیں علم النفس کے ماہر بھی شامل ہیں) وہ اس موضوع کو ایک ماہر کے نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ ظاہر ہے ایک ماہر کا نقطۂ نگاہ جہاں بعض مخصوص فوائد کا حامل ہوتا ہے وہاں لازمی طور پر اس کے بعض نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس کا فائدہ تو یہ ہے کہ اس میں حقائق کے ایک حصہ پر کما حقہٗ توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ اور اس کا نقصان یہ ہے کہ اس میں ایک حصہ پر زیادہ زور دیتے وقت تمام دوسرے حقائق نظر انداز کر دئے جاتے ہیں۔ البتہ ایک فلسفی کا نقطۂ نظر مختلف ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں وہ بھی ایک ماہر ہی کہلاتا ہے لیکن اس کا ماہر ہونا اپنے اندر ایک عمومیت کا رنگ رکھتا ہے۔ وہ مختلف تجربات سے حاصل کی ہوئی فراست کو کام میں لاتا ہے اور ہر موضوع کو ایک ایسے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے کہ جس کی اہمیت دوسرے ماہرین کے نزدیک مسلّم تو ہوتی ہے لیکن وہ خود ایک ہی نوعیت کے حقائق میں محو ہونے کے باعث اس نقطۂ

نقطۂ نظر کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ امن اور جنگ کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو حل کرنے کے لئے فلسفہ اور سماجی سائنس دونوں علوم کے ماہروں کی متحدہ فراست سے استفادہ ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں اس سلسلہ میں علم کے اور بہت سے شعبوں سے بھی استفادہ ضروری ہے لیکن جہاں تک فکر و تدبّر اور مطالعہ کا تعلق ہے اس مسئلہ کو حل کرنے میں فلسفہ اور سماجی سائنس کی مدد کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اکثر لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ فی زمانہ امن کا مسئلہ اپنی نوعیت اور شدّت کے لحاظ سے بہت اہمیت حاصل کر گیا ہے۔

موجودہ دور میں امن کا مسئلہ جس پس منظر اور ماحول سے وابستہ ہے وہ پس منظر اور ماحول مغرب کی سرزمین سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس تعلق کی بنیاد وہ تہذیب ہے جس نے اگرچہ مغرب میں ہی جنم لیا ہے اور اس بنا پر وہ **مغربی تہذیب** ہی کہلاتی ہے لیکن فی الحقیقت وہ اپنے اثرات اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے بہت حد تک عالمی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اگر ہم گزشتہ پانچ سو سال کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس عرصہ میں کرۂ ارض پر شدید سے شدید نوعیت کی بہت سی جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ان میں سے بڑی بڑی جنگوں کی تعداد جن میں ۱۹۵۰ء کی جنگ کوریا بھی شامل ہے تیس سے کسی طرح کم نہ ہو گی۔ اس ضمن میں یہ امر قابل غور ہے کہ ان جنگوں کے مہیب بادل اکثر و بیشتر یورپ اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ پر ہی منڈلاتے رہے ہیں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ دو ہولناک ترین عالمی جنگیں دنیا کے اسی حصہ میں شروع ہوئیں اور اب تیسری عالمگیر جنگ کا امکان بھی لوگوں کے قلوب و اذہان میں کروٹیں لے رہا ہے۔ اس کا منصۂ شہود پر آنا اس قدر یقینی سا ہوتا جا رہا ہے کہ کوئی شخص بھی تاوقتیکہ وہ خاص کوشش سے کام نہ لے اس کے متعلق سوچنے اور فکر کرنے سے اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتا۔

اس کے ساتھ ساتھ امن سے متعلق خیالات بھی روز بروز تقویت پکڑ رہے ہیں۔ ان خیالات نے گزشتہ پانچ چھ سو سال کے اندر اندر مغربی یورپ میں خاص طور پر نمایاں شکل اختیار کی ہے۔ ان خیالات کا خاص طور پر اس علاقے میں ہی پروان چڑھنا تعجب انگیز قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ گزشتہ کئی صدیوں سے جنگ ایک یورپی **نظریہ یا مسلک** کی حیثیت سے ہی پروان چڑھتی رہی ہے۔ ان حالات میں لازمی تھا کہ امن کا احساس بھی سب سے پہلے یورپ کے باشندوں میں ہی اُجاگر ہوتا۔

اوّل اوّل فرانسیسی قانون دان پیئرے ڈیوبوئیس (Pierre Dubois) نے ۱۳۰۶ء میں جنگ پر قابو پانے کے لئے ایک منصوبہ پیش کیا۔ اس کے پیش نظر صرف "ارض مقدس" کا حصول تھا اور "ارض مقدس" کی بحالی اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ خود یورپ کے بادشاہ آپس میں صلح جوئی اور امن پسندی پر عمل پیرا نہ ہوتے۔ اس کے بعد ۱۳۱۰ء عیسوی میں مشہور شاعر ڈانٹے نے سارے یورپ کو ایک ہی بادشاہ کے زیر نگین لانے کا نظریہ پیش کیا۔ ۱۶۲۳ء عیسوی میں عالمی نوعیت کا ایک منصوبہ منظر عام پر آیا جو پیرس کے ایمرک کروسے (Emeric Crucé) نامی شخص کے دماغ کی اختراع تھا۔ یہ منصوبہ خود اس کے تجویز کردہ نام کے بموجب "The New Cyneas"

کے نام سے مشہور ہے۔ کہ وہ بلاشبہ تعریف کا مستحق ہے کیونکہ اس نے ایک ایسے وسیع تر پلان کا تصور پیش کیا۔ جس میں یورپ کے علاوہ ہندوستان اور چین بھی شامل تھے اسی طرح روسو (Rousseau) نے ۱۷۶۱ء میں، بینتھم (Bantham) نے ۱۷۹۰ء میں اور کانٹ (Kant) نے ۱۷۹۵ء میں اپنے اپنے امن کے منصوبے پیش کئے۔ ہر چند کہ یہ سب منصوبے بلحاظ وسعت صرف یورپ تک ہی محدود تھے تاہم فہم و فراست اور سمجھ بوجھ کے آئینہ دار ضرور تھے۔ انہوں نے مشترک مفادات کیلئے باہمی تعاون کی مدد سے جنگ پر قابو پانے اور اس کا سدِ باب کرنے کی کوشش کی۔

یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ کانٹ (Kant) نے اپنے پلان میں جنگ کی خاطر قرضے حاصل کرنے کی ممانعت کو بھی جگہ دی تھی لیکن اس نے اس بارے میں کوئی خاص ہدایت نہیں کی کہ یہ ممانعت مؤثر طریق پر کیونکر عمل میں لائی جا سکتی ہے تاہم اس کے پلان میں اس امر کی نشاندہی ضرور موجود ہے کہ جنگ اور قرضوں کے حصول میں باہم کیا تعلق ہے۔

جنگ اور اس کے متعلق فراوانی افکار اور ایک ہی نسل کے اندر اندر دو عالمی جنگوں کے جگر خراش تجربہ کی بدولت اور کچھ نہ بھی اتنا ضرور ہوا ہے کہ قیام امن کے بعض عالمی ادارے معرضِ وجود میں آگئے ہیں۔ ان اداروں کے جہاں بعض کمزور پہلو ہیں وہاں پر بعض روشن اور قوی پہلوؤں کے بھی حامل ہیں۔ یہ ادارے ناکام بھی ہو سکتے ہیں اور کامیابی سے ہمکنار بھی۔ ان ہر دو امکانات کے باوجود یہ ایک واضح حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں اور اسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ بنی نوع انسان یقیناً اس قابل ہیں کہ وہ امن سے متعلق اپنی خواہشات اور خیالات کو عملی جامہ پہنا کر ایسے عالمی ادارے معرضِ وجود میں لا سکتے ہیں کہ جو مفید بھی ہوں اور پائیدار بھی۔ جہاں تک ان اداروں کی کارکردگی اور کارگزاری کا تعلق ہے اس میں حقیقی کامیابی بے شک ابھی دُور کی بات ہے لیکن یہ حقیقت بھی شک و شبہ سے بالا ہے کہ حقیقی کامیابی کا حصول ممکن ضرور ہے۔ اس بارے میں شبہ کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ عالمی عدالتِ انصاف جس مقصد کے لئے قائم کی گئی ہے وہ اس میں کامیاب ہوئی ہے یا نہیں، یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہو سکتی ہے کہ اخلاقی دیوالیہ پن کے باعث لیگ آف نیشنز کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور وہ معدوم ہوگئی، اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقوام متحدہ کی تنظیم ابھی تک اس اتحاد سے عاری ہے جو دراصل اس کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔ بایں ہمہ یہ ادارے ہمیں اتنا سبق ضرور دیتے ہیں کہ انسان ذہنی فراست اور روحانی قوت کی دولت سے یکسر بے نصیب نہیں ہے۔ وہ ان مادی طاقتوں کا جو خود اس کی اپنی عُجب پسندی کے باعث بے لگام ہو کر اس کے سر پر منڈلا رہی ہیں۔ اس طور پر شکار نہیں ہو سکتا کہ بعد میں کوئی اس پر آنسو بہانے اور ماتم کرنے والا بھی باقی نہ رہے۔

یہ ماننے کی بات ہے کہ اقوام متحدہ جیسے قیامِ امن کے سلسلہ میں فی الوقت انسان کا بہترین کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے اپنی پیش رو تنظیم یعنی لیگ آف نیشنز کے مقابلہ میں، جو اپنے دن پورے کرکے ختم ہو چکی ہے، کم از کم ایک لحاظ سے کمزوری کا شکار نظر آرہی ہے۔ لیگ آف نیشنز اپنے زمانہ میں قوموں کی ایک برادری کا درجہ رکھتی تھی اور اس کی حیثیت

ایک ایسے جمہوری ادارے کی سعی تھی جس میں ہر قومی گروہ کی آواز کو مساویانہ نہیں کچھ نہ کچھ وقعت ضرور حاصل تھی لیکن اقوام متحدہ صرف دو گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔ اقوام متحدہ اور سابقہ لیگ کے درمیان یہ فرق بہت اہمیت کا حامل ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ دُنیا آج خوف، شکوک و شبہات باہمی عطائقت مخاصمانہ خیالات اور تشدد آمیز منصوبوں کی بدولت واضح طور پر دو مخالف کیمپوں میں بٹی ہوئی ہے۔ قریب قریب ایسی طاقتوں کا وجود ناپید ہے کہ جنہیں غیر جانبدار قرار دیا جا سکے۔ دُنیا کا اس طرح دو مساوی گروپوں میں تقسیم ہونا ہی موجودہ صورتِ حال کی وہ مخصوص نوعیت ہے جس نے اسے تشویش انگیزی اور شدت سے ہمکنار کر رکھا ہے۔ صورتِ حال کی اس مخصوص نوعیت کے بالمقابل آیئے ہم امن کے امکانات کا جائزہ لیں۔

چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلی چیز جو ہماری نگاہ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان عالمی اداروں کے پہلو بہ پہلو دُنیا بھر میں لوگوں کے اندر شعور کے اجاگر ہو جانے کے باعث ہر جگہ اپنے طور پر بھی بہت کچھ غور و فکر اور امن کی منصوبہ بندی کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ غور و فکر اور منصوبہ بندی مختلف نوعیتوں اور قسم قسم کی امتیازی خصوصیتوں کی حامل ہے اور اپنے اندر ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ہر جگہ لوگ بعض مخصوص وجوہات کی بنا پر (قطع نظر اس سے کہ وہ وجوہات اچھی ہیں یا بُری) ان اداروں کی نسبت جنہیں سرکاری حیثیت حاصل ہے اپنے دل پسند رہنماؤں اور صاحبِ بصیرت حضرات کی طرف رجوع کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

امن کے ایسے نجی علمبرداروں میں زیادہ تر ایسے افراد یا گروہ شامل ہیں جن کی جنگ سے نفرت انتہا پسندی کی حد تک پہنچی ہوئی ہے ان کے نزدیک جنگ مقصد اور موقع خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو بہر حال ایک غلط اقدام کی حیثیت رکھتی ہے۔

ان انفرادی شخصیتوں میں سے امن کا ایک علمبردار بھی ہے جسے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور بے غرضانہ اوصاف کے باعث ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور گزشتہ تیس یا چالیس سال سے جس کا دل پسند مشغلہ ہی یہ ہے کہ وہ قیامِ امن کے متعلق غور و فکر سے کام لیکر اس خاص موضوع پر برابر لکھ رہا ہے اور وہ ہے برٹرینڈ رسل۔

علاوہ ازیں امن کے ان نجی علمبرداروں میں بعض مخصوص گروپ اور جماعتیں بھی ہیں جو کسی نہ کسی دینی مسلک سے وابستہ ہیں۔ یہ جماعتیں آسمانی ہدایت اور روحانی افضال پہ ایمان رکھتی ہیں۔ اسی پر ان کا بھروسہ ہے اور اسی کے ساتھ انکی سب امیدیں وابستہ ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کی تمام تر طاقت کا دار و مدار صرف نیک خواہشات اور ارادوں پر ہی ہو بلکہ ان کے پاس بھی امن کے بعض منصوبے ہیں۔ ایسے ممتاز گروہوں میں سے ایک اسلام ہے۔ اسی طرح دوسرے مذہبی گروپ مثلاً بُدھ، ہندو، عیسائی اور یہودی وغیرہ اپنے اپنے منصوبے اور امن سے متعلق مخصوص نظریات رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض غیر مذہبی نظریاتی گروپ بھی ہیں جنہیں امن کے مسئلہ سے خاص دلچسپی ہے۔ یہ نجی یا غیر سرکاری قوتیں جو امن کے حق میں سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں باہم منظم نہیں ہیں اور بسا اوقات ان کے درمیان بھی باہمی آویزش کی سی کیفیت نظر آتی ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر جگہ ایسے لوگ موجود ہیں جو امن کے ایک نہ ایک فلسفہ میں یا امن کے ایک نہ ایک منصوبہ

میں دلچسپی رکھنے والے ان سب افراد یا گروہوں کو باہم مجتمع کر دیا جائے تو ان کے نظریات اور نیک جذبات امن کے حق میں ایک بہت بڑی قوت کا کام دے سکتے ہیں۔

تحریکِ امن کے نتیجے میں اب تک جو کچھ حاصل ہوا ہے اگر ہم سرسری طور پر اس کا جائزہ لیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ

۱۔ امن کی ضرورت اور بلاشبہ اس کی فوری اہمیت پورے طور پر دنیا کے سامنے آ گئی ہے۔

۲۔ محدود مقاصد کی خاطر ہی سہی عالمی سطح پر اجتماعی اقدام کے امکان کی جھلک روز بروز نمایاں ہوئی ہے۔

۳۔ ہر جگہ مردوں اور عورتوں میں یہ تحریک پیدا ہو رہی ہے کہ وہ امن کے متعلق سوچیں اور حصولِ امن کے ممکن ذرائع کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں۔

۴۔ ہر جگہ کیا مرد اور کیا عورتیں سب اس بات پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں کہ وہ اخلاقی اور روحانی فراست کے قدیم ماخذوں یعنی کتب مقدسہ وغیرہ کا، جن پر روایتی لحاظ سے وہ انحصار کرتے چلے آ رہے ہیں، بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ جنگ اور امن کے متعلق ان سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

۵۔ مسلّمہ عالمی اداروں نے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ امن کی طرف بہت رُک رُک کر ہی قدم بڑھایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ مخصوص حالات میں قومی سطح پر قبول کی ہوئی ذمہ داری دوسری نوعیت کے حالات میں بھی اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ ذمہ داری قبول کرنے والے پسند کریں یا نہ کریں ایک دفعہ ذمہ داری اٹھانے کے بعد وہ بآسانی اس سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکتے۔ مخالف گروہوں کے درمیان دنیا کے ایک حصے میں یا کسی مخصوص معاملہ کے ضمن میں جو سمجھوتے ہوتے ہیں وہ دنیا کے دوسرے حصوں اور دوسرے معاملات کے ضمن میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور اس طرح بین الاقوامیت کا احساس کسی نہ کسی مثبت یا باطنی ضرورت کے زیر اثر آگے ہی آگے قدم بڑھاتا رہتا ہے اب خواہ یہ پیشقدمی کتنی ہی سست اور غیر موثر نوعیت کی کیوں نہ ہو۔

اس ضمن میں بعض دوسری کامیابیاں بھی گنی جا سکتی ہیں تاہم آئیے مندرجہ بالا کامیابیوں پر ہی اکتفا کرتے ہوئے تصویر کے دوسرے رُخ کا بھی مطالعہ کریں۔ یعنی اُن چیزوں پر بھی نگاہ ڈالیں جن کو تحریکِ امن کے سلسلہ میں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اور اگر خیر سگالی کے جذبے کے تحت ان پر غور کیا جائے تو کوئی عجب نہیں ان کی افادیت کا احساس اجاگر ہو کر امن کی تحریک کے لئے تقویت کا باعث بن سکے۔

۱۔ چنانچہ اس امر کو تا حال پوری طرح محسوس نہیں کیا گیا ہے کہ امن کی خواہش اور ارادے کو قیامِ امن کے سلسلے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ امن کے جتنے بھی فلسفے یا منصوبے آج تک پیش کئے گئے ہیں ان میں کسی نہ کسی حد تک اس امر کو نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ غالباً سماجی سائنس والوں نے اور ان میں سے بھی بالخصوص علم النفس کے ماہروں نے اس حقیقت کو سب سے زیادہ نظر انداز

کیا ہے علم النفس کے وہ ماہر جو امن کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں ان کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جارحیت کے ذرائع اور وسائل کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ ایک قومی گروپ میں دوسرے گروپوں کے خلاف، ایک نسل کے لوگوں میں دوسری نسلوں کے لوگوں کے خلاف، اور اسی طرح ایک مذہب کے ماننے والوں میں دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے خلاف، ایک ہی نوعیت کا جو مخاصمانہ جذبہ پایا جاتا ہے وہ اس سے بھی واقف ہیں۔ پھر جنگ کے اعداد و شمار اور ان اعداد و شمار سے جنگ کے اسباب پر جو روشنی پڑتی ہے اُن کے بارے میں بھی علم النفس کے ماہروں کا علم کچھ کم وسیع نہیں ہے۔ لوگوں کے اذہان تک رسائی نکالنے اور ان کو منقلب کرنے کے طریقوں سے بھی وہ بڑی حد تک آگاہ ہیں۔ انہوں نے اقوام متحدہ کی تعلیمی سماجی اور ثقافتی تنظیم یونیسکو کے اس خیال پر بھی بڑی دماغ سوزی کی ہے کہ ـــــ "چونکہ جنگ کی ابتدا لوگوں کے ذہنوں سے ہوتی ہے اسلئے ضروری ہے کہ ان کا دماغ بھی آغاز کار لوگوں کے ذہنوں ہی میں ہی قائم کیا جائے؟ اگر موقع اور وقت میسر آجائے تو علم النفس کے ماہر اس موضوع پر علم کا اور کیا کچھ ذخیرہ فراہم نہیں کر سکتے۔ لیکن اس تمام علم کی حیثیت ایک ہتھیار یا اوزار کی سی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ اوزار کبھی استعمال بھی ہوگا؟ علم النفس کے ماہروں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے علم النفس کے فراہم کردہ یا کسی نوعیت کے کسی دوسرے اوزار کے استعمال کا انحصار کہ جس سے امن کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ خود علم النفس کے ماہروں پر نہیں بلکہ دوسرے لوگوں پر ہے یعنی ان لوگوں پر جنہیں اپنے اپنے مخصوص گروپوں میں قائد ہونے کی حیثیت میں عظیم طاقت اور مقدرت حاصل ہے اور وہ لوگ برٹرینڈ رسل کے الفاظ کے بموجب اپنے انداز فکر اور نقطۂ نظر کے لحاظ سے بہت جوشیلے، کٹر اور متعصب واقع ہوئے ہیں

صرف سماجی سائنس کے ماہر ہی نہیں بلکہ حق بات یہ ہے کہ برٹرینڈ رسل کی طرح فلسفۂ امن کے ماہر بھی غالباً یہ امر فراموش کر بیٹھے ہیں کہ امن کی خواہش یا ارادے کی تخلیق کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ امر ان کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہو جاتا ہے کہ جب تک امن کی خواہش موجود نہ ہو ان کے منصوبے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ ہر چند کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ امن کی خواہش کو مشکل گردانا جائے پھر بھی یہ ایسی چیز نہیں ہے کہ جو آسانی پیدا ہو سکے۔

۲- ان کے یورپی منصوبے چند ایک مستثنیات کو چھوڑ کر تنگ نظری پر مبنی ہیں۔ ان کا تصور امن مخصوص یورپی حالات کا پابند ہے۔ ان کی تمام تر جدوجہد کا نقطۂ مرکزی یہ تشویش ہے کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ تہذیب کو ہلاک ہونے سے بچایا جائے۔ کسی کو اس تشویش پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ انسانیت کے عالمی پیمانے

پر امن کا تصور بالکل ایک جداگانہ چیز ہے۔ یورپی منصوبوں کے بالمقابل امن کے مذہبی منصوبے بظاہر عالمی سطح پر مبنی ہیں لیکن ان میں سے بہت کم ایسے ہیں کہ جو تجربہ کی تائید بھی اپنے ساتھ رکھتے ہوں یا عملی لحاظ سے اُس یقینی علم کی دولت سے مالا مال ہوں جو مختلف گروہوں کے باہمی تنازعات کی نوعیت اور ان کے تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ ایک مشکل یہ ہے کہ خالص انصاف یا انصاف محض کو وہ قوت حاصل نہیں ہے جو اسے حاصل ہونی چاہیئے۔ کہنے کو تو اقوام متحدہ کے منشور میں عدل کے ذریعہ قیام امن کی ضمانت دی گئی ہے یا بالفاظ دیگر ایسے امن کی ضمانت دی گئی ہے کہ جس کی بنیاد دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ عدل پر ہو لیکن عملاً جو طریق اختیار کیا جاتا ہے وہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں عدل سے زیادہ حالات کی مناسبت کو دخل حاصل ہوتا ہے۔ یا تو حالات کی مناسبت کے بموجب گر کر مفاہمت کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ یا پھر پہلے سے سوچے سمجھے ایک اٹل فیصلے کو نافذ کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں طریقے ہائے کار کمزور قوتوں کے لئے سخت نقصان دہ ہیں۔ بڑی طاقتیں جنہیں اقوام متحدہ کی تنظیم میں بہت مقدرت حاصل ہے انصاف خالص اور اس کے مقتضیات میں دلچسپی نہیں رکھتیں۔ چھوٹی قوموں کے درمیان رونما ہونے والے تنازعات میں ان کے دلچسپی لینے کا سوال اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تنازعات خود ان کے لئے بھی پریشانی کا موجب ثابت نہ ہونے لگیں۔ یا پھر وہ اس صورت میں ہی ان تنازعات میں دلچسپی لیں گی کہ ان کی دخل اندازی کے نتیجے میں خود ان کے لئے اور ان کے دوستوں کے لئے کسی قسم کی پریشانی پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو۔

۴۔ اگرچہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ تمام قومی یا انسانی گروہ جنہیں اپنی ہیئت اجتماعی کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ مستقل حیثیت حاصل ہے انفرادی طور پر یا دوسرے گروہوں کے بالمقابل اُن تمام اخلاقی ضابطوں کے اسی طرح سزاوار ہیں جس طرح کہ افراد کو انکا پابند خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ امر کسی کے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے کہ گروہوں کے لئے اخلاق کی پابندی کی نوعیت کیا ہے اور یہ کہ انہیں کس طرح اخلاق کا پابند بنایا جا سکتا ہے۔ حال ہی میں برٹرینڈرسل کو امن کی اہمیت واضح کرنے اور اس کی حمایت کرتے وقت فلسفہ کے دائرے سے اخلاقیات کو نکالنے میں سخت دقت پیش آئی تھی۔ ہر چند کہ وہ فلسفہ کے دائرے میں اخلاقیات کی دخل اندازی کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کے باوجود وہ امن کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کے قائل ہیں۔ اس میں شک نہیں ایک اعتبار سے ان کے نزدیک بھی اجتماعی اخلاق کی اہمیت مسلّم ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کس اعتبار سے اجتماعی اخلاق کی اہمیت کو مسلّم گردانا جائے؟

اجتماعی اخلاق میں یقین یا اعتماد کا عنصر اخلاق کے فلسفہ کو پورے طور پر واضح کئے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی گروپ کو اخلاقی ضابطے یا اخلاقی فیصلے کا پابند بنایا جائے تو پھر اُس گروپ کیلئے کسی نوعیت کا شخصی وجود تسلیم کرنا ہوگا اور اگر ہم ایسا کرنے پر رضامند ہو جائیں تو پھر گروپ کے افراد کے متعلق کیا نظریہ قائم کیا جائے گا؟ وہ بذاتِ خود اپنی جگہ انفرادی شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ افراد اور گروپ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اخلاقی شخصیتیں رکھتے ہیں۔ لیکن اس امر کو واضح کرنے کی بہت کم لوگوں نے زحمت گوارا کی ہے۔

۵۔ امن کے منصوبے خواہ وہ اقوامِ متحدہ کے تیار کردہ ہوں یا فلسفیوں اور نظریاتی گروہوں کے پیش کردہ وہ انسان اور دُنیا کے متعلق کسی نہ کسی مفروضے یا فلسفہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ بعض اوقات منصوبوں کے ساتھ اس کے بنیادی فلسفہ کو بھی واضح کیا جاتا ہے لیکن پورے طور پر نہیں۔ اس خامی کی وجہ سے ایک منصوبے کا دوسرے سے مقابلہ اور موازنہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح عالمی سطح پر تیار کئے ہوئے اصل سرکاری منصوبے کی راہ میں (ہر چند کہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں) رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ سب منصوبوں میں سے اقوامِ متحدہ کا منصوبہ بالعموم نظریاتی پس منظر سے معرّا ہوتا ہے۔ اسی لئے بہت سی جماعتیں یا گروپ کلّی طور پر اسے قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ذہنی اعتبار سے جزوی طور پر ہی اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ ذہنی لحاظ سے کامل اور پورا پورا اتفاق مفقود ہونے کے باعث امن کے مفادات معرضِ خطر میں رہتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ نظریاتی پس منظر سے تعلق رکھنے والے مسائل کو اقوامِ متحدہ میں یا اس کے باہر زیرِ بحث لانے میں الجھن پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ یہ مسائل اپنی جگہ کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ ان کا حل ہونا پائدار امن کے قیام کے لئے ضروری ہے۔

"میں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام کو کیوں قبول کیا؟"

اس عنوان سے آٹھ صفحات کا ایک ٹریکٹ جناب عبدالحفیظ صاحب نومسلم سابق سیکرٹری ریک برادرن بی۔ اے سیکرٹری کیتھولک انفارمیشن بیورو لاہور کی طرف سے موصول ہوا ہے۔ فاضل موصوف نے ابھی حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے۔ انہوں نے اس ٹریکٹ میں ثابت کیا ہے کہ موجودہ وقت میں قرآن مجید ہی ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور اسلام ہی کے ذریعہ سے نجات مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں استقامت بخشے اور جزائے خیر دے۔

(ایڈیٹر)

بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ کی تلاش قدیم ہندوستان میں

آرامی زبان - آرامی رسم الخط اور آرامی انجیل کے آثار

(۱)

(از جناب شیخ عبد القادر صاحب آف لائلپور)

بنی اسرائیل کے گم شدہ اسباطِ عشرہ کی تلاش ایک مستقل تاریخی مسئلہ ہے۔ مؤرخین نے مختلف قوموں میں ان قبائل کو تلاش کیا۔ اور اس بارہ میں مختلف تاریخی آراء قائم کیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "مسیح ہندوستان میں" میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ جو کہ بادشاہانِ اشور کے مختلف حملوں میں اسیر ہوئے۔ افغانستان، کشمیر اور شمالی مغربی سرحد کے علاقہ میں آباد ہوئے۔ یہی وہ فرقے ہیں جن تک پیغام حق کا پہنچانا حضرت مسیح ناصری کے مشن میں داخل تھا[۱]۔ (متی ۱۵/۲۴، یوحنا ۱۰/۱۶، یوحنا ۷/۳۳ تا ۳۶) چنانچہ آپ نے قدیم تاریخی کتب سے ثابت کیا کہ حضرت مسیح ناصری "اپنی گم شدہ بھیڑوں" کی تلاش میں ان بلاد میں آئے اور ان قوموں تک پیغام حق پہنچا کر اپنے فرض رسالت سے سبکدوش ہوئے۔

بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ فلسطین سے جلاوطنی کے بعد مستقل طور پر کہاں آباد ہوئے؟ اس امر کو مدت مدید تک تاریخ کی ایک گم شدہ کڑی سمجھا جاتا رہا۔ بالآخر ان فرقوں کی تلاش قدیم ہندوستان کے شمال مغرب میں نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اب عام طور پر علمائے تاریخ افغانوں کے اس دعویٰ کو درست تسلیم

۱؎ انجیل میں حضرت مسیح ناصری کی ہجرت کا ذکر صاف لفظوں میں آیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے دشمن یہود بھی یہ سمجھتے تھے کہ آپ ان علاقوں میں جانے والے ہیں جہاں یہودی اسباط منتشر ہیں تا کہ ان لوگوں میں بھی یہ تعلیمات پھیل سکیں۔ (یوحنا ۷/۳۳ تا ۳۶)

البرٹ ہیما جو کہ امریکن یونیورسٹی Michigan میں تاریخ کے پروفیسر ہیں اپنی کتاب "Ancient History" میں انجیل کے اس بیان پر لکھتے ہیں:-

And one day when ۲ Jesus of Nazareth ۳ had preached a powerfull sermon and had talked about taking his departure, some people wondered whether he was going to preach to the lost tribes of Israel.

P. 38

۲ اور ایک دن جب حضرت مسیح ناصری ایک پُر جوش وعظ فرما رہے تھے۔

(باقی صفحہ ۳۶ پر)

کرتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل ہیں[1]۔ اسی طرح کشمیری نسل میں بھی اسرائیلی خون کی آمیزش ثابت ہے۔ (کشمیر کے آثارِ قدیمہ پر پنڈت رام چند کاک کی کتاب *Ancient Monument* صفحہ ۴ ملاحظہ ہو) ان اقوام کی شکل و صورت، خد و خال، قدیم رسومات اور لباس ان کے اسرائیلی ہونے پر شاہد ہیں۔ بلاد و امصار اور قبائل و اقوام کے نام بھی وہی ہیں جو کہ بائیبل میں وارد ہوئے اور کنعان سے خاص ہیں (جزائر ان ہیون" از خواجہ نذیر احمد صاحب ص۲۰۲ تا ص۲۱۲) اور سب سے دلچسپ امر یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی زبان آرامی کے آثار بھی پاکستان کے شمال مغربی علاقہ میں مل گئے ہیں۔ ٹیکسلا سے آرامی زبان اور رسم الخط میں ایک کتبہ برآمد ہوا اور خروشتی حروف کے کتبے اور سکے بہت بڑی تعداد میں مل چکے ہیں جو کہ مسلم طور پر آرامی رسم الخط کی ایک دوسری صورت ہیں۔ یہ سب آثار گواہی دے رہے ہیں کہ آرامی بولنے والی قومیں ان علاقوں میں کسی زمانہ میں آباد تھیں۔ ہمارا آج کا موضوع آرامی زبان کے انہی آثارِ قدیم سے تعلق رکھتا ہے۔ تفصیل میں جانے سے پیشتر بنی اسرائیل کی زبان آرامی کی تاریخ درج ذیل ہے۔

آرامی زبان کی ابتداء مسوپوٹامیا اور شام کے چند علاقوں میں بسنے والے آرامی النسل لوگوں سے ہوئی لیکن وہ آہستہ آہستہ دور دراز کے مقامات اور مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ اس زبان نے نہ صرف آشوری زبان کو پیچھے ہٹا کر اس کی جگہ حاصل کر لی بلکہ فونیشین، عبرانی اور چھوٹی چھوٹی سامی بولیاں آرامی کے غلبہ و تسلط کے باعث متروک ہو گئیں اور صدیوں تک اس زبان کا طوطی بولتا رہا۔ تیسری یا چوتھی صدی قبل مسیح میں پہلوی زبان کا خمیر بھی آرامی زبان سے اٹھایا گیا۔ اس زبان کے خط و خال میں آرامی زبان کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ پہلوی ایک مدت مدید تک آرامی رسم الخط میں لکھی جاتی رہی[1]۔ بنی اسرائیل اور اہل یہودا کی زبان عبرانی تھی لیکن آرامی نے کچھ ایسا فسوں پھونکا کہ عبرانی نے زیادہ سے زیادہ آرامی الفاظ کو اپنانا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ دخیل الفاظ کی کثرت کے باعث عبرانی غائب ہو گئی۔ اور گھر کی مالک آرامی بن گئی۔۔

۹۴۰ قبل مسیح میں حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد اسرائیلی بادشاہت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ شمالی حصہ میں اسرائیلی اور جنوبی حصہ میں اہل یہودا کی حکومتوں کا قیام عمل میں آیا۔

۷۲۲ قبل مسیح میں اسرائیلی مملکت آشوری بادشاہوں کے حملوں میں انجام کار ختم ہو گئی اور بنی اسرائیل اسیر ہو کر مسوپوٹامیہ میں جلا وطن ہوئے۔

۵۸۶ قبل مسیح میں بخت نصر شاہِ بابل کے حملے کے باعث جنوبی حصہ یعنی یہودا کی حکومت بھی تہ و بالا ہو گئی۔ یروشلم کھنڈر بن گیا اور اس حصۂ ملک کے اکثر باشندے جلا وطن

(بقیہ حاشیہ ص۳۲) اس وعظ میں آپ نے اپنی روانگی کا ذکر کیا تو کچھ لوگوں نے حیرانگی کا اظہار کیا کہ کیا یہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل میں تبلیغ کے لئے جائیں گے۔ پیکس تفسیر بائیبل میں ان آیات کی شرح میں لکھا ہے کہ جب حضرت مسیح کو یہ معلوم ہوا کہ یہود مجھے گرفتار کرانا چاہتے ہیں تو آپ یہ سوچ رہے تھے کہ میں ان علاقوں میں چلا جاؤں جہاں یہود جلا وطنی کے بعد بس گئے تھے۔

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ "افغانستان"۔

[1] تاریخ ادبیاتِ ایران از ایڈورڈ براؤن۔

ہوئے اور مسوپوتامیہ میں بسائے گئے۔

یہ انقلابات یہود کی زبان پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جب تک وہ آزاد رہے ان کی زبان جو کہ عبرانی تھی خالص رہی۔ جب آرامی بولنے والی قومیں ان کے ملک میں اور ارد گرد کے علاقہ میں برسرِ اقتدار آئیں تو ان کی زبان بگڑتی گئی یہاں تک کہ آرامی نے اس کی جگہ غصب کر لی۔

اہلِ آرام بنی اسرائیل کے قریبی ہمسایہ تھے آشوری حملوں سے پہلے بھی آرامی زبان سے ارضِ کنعان کے لوگ ایک حد تک شناسا تھے۔ آشوریوں کے زمانۂ سلطنت میں ان کی رعایا کا بہت بڑا حصہ آرامی بولتا تھا۔ کلدی یعنی بابلی سلطنت کے غلبہ نے بھی آرامی زبان کو بڑی تقویت دی۔ ان قوموں کے سیاسی غلبہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ نصف صدی کی آویزش کے بعد ۷۲۲ قبل مسیح میں جب سلطنت کے شمالی حصہ کے لوگ جلاوطنی میں گئے تو ان کی زبان عبرانی تھی اور وہ آرامی سے بھی شناسا تھے لیکن چھٹی صدی قبل مسیح میں جب جنوبی حصہ کے لوگ جلاوطن ہوئے تو آرامی نفوذ کر چکی تھی۔ یہ لوگ آرامی اور عبرانی بولتے گھر سے نکلے۔

اس دوران میں اسرائیلی اسباطِ عشرہ جو کہ آرامی بولنے والی قوموں میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے آرامی بولنے لگے تھے۔ عبرانی زیادہ تر بھول چکے تھے۔ جب اہلِ یہودا بھی ان کے ساتھ آ ملے تو یہود و اسرائیل کی مشترکہ زبان آرامی بن گئی اور عبرانی مدرسہ دینیات اور طبقہ علماء میں محدود ہو کر رہ گئی۔

۵۳۶ قبل مسیح میں سائرس شہنشاہ فارس و میدیا کے عہد میں یہود کو اجازت ملتی ہے کہ وہ دوبارہ ارضِ کنعان میں آباد ہو سکتے ہیں۔ بارہ قبائل میں سے صرف دو قبیلے اپنے وطن میں واپس لوٹتے ہیں۔ اسیری سے واپسی پر جب عزرا نبی نے شریعت کا عبرانی نسخہ ان کے سامنے پڑھا۔ چونکہ عوام الناس عبرانی سے ناواقف تھے اور آرامی عوامی زبان بن چکی تھی لہذا لاوی ان کو ان کے معنی بتاتے۔

"اور ان پڑھی ہوئی باتوں کی عبارت ان کو سمجھاتے تھے۔" (نحمیا $\frac{۸}{۱ تا ۱۸}$)

اس زمانہ سے تعلق رکھنے والے بائیبل کے بعض صحیفے ہمیں عبرانی کی بجائے آرامی میں ملتے ہیں۔

جو لوگ ارضِ کنعان میں واپس نہیں لوٹے وہ مختلف ممالک میں پھیل گئے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان جلاوطن قبائل کی زبان آرامی تھی[۱]۔ آرامی زبان کی نشر و اشاعت میں آرامی بولنے والی یا اس کی سرپرست قوموں کے سیاسی تسلط کے علاوہ بنی اسرائیل کی مہاجرت و انتشار فی الارض کو بھی بڑا دخل حاصل ہے۔

فارسی سلطنت کے ہی دور میں جلاوطن بنی اسرائیل کا ایک بڑا حصہ ہندوستان کے شمال مغرب اور اس کے قریب جوار کے ممالک میں آ کر بس گیا۔ ان قبائل کی زبان (ٹیکسلا میں سے ایک ٹیکسلا کا آرامی کتبہ ہے) چونکہ آرامی تھی اسلئے آرامی آثار قدیم ان علاقوں سے برآمد ہوئے لیکن بنی اسرائیل کا ایک حصہ جنوب مغربی ہندوستان کے ساحلی علاقہ میں جا بسا ان کی وجہ سے ساحلی علاقہ کے لوگ بھی آرامی سے واقف ہو گئے۔ تاریخ ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ زمانہ قدیم میں مغربی ہندوستان کے

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "دی فورگاٹن سپلز" از پروفیسر چارلس کنلر ٹوری صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۲۵۲۔

ساحلی علاقوں میں آرامی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی[1] پہلی صدی عیسوی کا مشہور یہودی مؤرخ جوزیفس ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے یہودی محاربات کی تاریخ اپنے وطن یعنی ارضِ کنعان کی زبان آرامی میں لکھی۔ (بعد میں یونانی دنیا کے لئے اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا) یہ آرامی تاریخ ان سب دور دراز کے علاقوں میں بسنے والے اسرائیلی قبائل کو بھیجی گئی جو کہ شمال، جنوب اور مشرق" میں پھیلے ہوئے تھے یعنی "پارتھیا۔ بیلونیا۔ اربیا۔ مسوپتامیا" وغیرہ میں آباد تھے[2]۔ جوزیفس کے زمانہ میں "سلطنت پارتھیا" کی حدود دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں[3]۔ چونکہ بنی اسرائیل کا ایک بڑا حصہ اسی علاقہ میں آباد تھا اسلئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ پارتھیا کے بنی اسرائیل سے مراد زیادہ تر ہندوستان کے شمال مغرب میں بسنے والے اسرائیلی قبائل تھے۔ پہلی صدی عیسوی میں ایک معزز فریسی گملی ایل نام نے بنی اسرائیل کے منتشر قبائل کی طرف ایک گشتی خط بھیجا۔ یہ خط بھی آرامی میں ہے[4]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے قبائل جن جن علاقوں میں آباد تھے ان کی زبان آرامی تھی۔

حضرت مسیح ناصریؑ کے زمانہ میں فلسطین میں بسنے والے یہود کی زبان آرامی تھی۔ یہ زبان کئی صدیوں سے یہاں رائج تھی۔ حضرت مسیح ناصری اور ان کے حواریوں کی مادری زبان مغربی آرامی تھی۔ دوسری صدی مسیحی میں پے پیاس ہمیں بتاتا ہے کہ متی حواری نے اپنی انجیل آرامی میں لکھی[5]۔ یہ آرامی انجیل یونانی کے غلبہ کے باعث متروک ہوگئی۔ لیکن ہندوستان کے بنی اسرائیل کے پاس اس کے نسخے موجود ہے۔ دوسری صدی مسیحی کے آخر میں سکندریہ کا مشہور عیسائی فلاسفر "پن ٹی نس" جب ہندوستان آیا تو اس کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ یہاں کے یہودی النسل مسیحیوں کے پاس متی کی آرامی انجیل موجود ہے[6]۔

اب آرامی زبان کے متعلق بعض اہم حوالجات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ پروفیسر جی۔ اے کُک اپنے ایک مقالہ میں آرامی زبان پر روشنی ڈالتے ہیں جس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:۔

"آرامی عہدِ عتیق میں اس زبان کا نام ہے جس میں اس کے کچھ حصے تحریر کئے گئے۔ بائیبل کے مندرجہ ذیل حصے ہمیں آرامی میں ملتے ہیں:۔

۱۔ دانیال ۲/۴ سے لیکر ۷/۲۸ تک

۲۔ عزرا ۴/۸ سے لیکر ۶/۱۸ تک

عزرا ۷/۱۲ سے لیکر ۷/۲۶ تک

۳۔ پیدائش ۳۱/۴۷ کے دو لفظ آرامی ہیں

---

[1] دی فور گاسپل (The four Gospels) از پروفیسر چارلس کٹلر ٹوری ص۲۵۳ و تاریخ کلیسیائے ہندوستان از برکت اللہ ایم۔ اے حصہ اوّل ص۱۰۳ حصہ دوم ص۲۴ تا ص۲۸ و ۳۲

[2] دی فور گاسپل ص۲۵۰

[3] تاریخ کلیسیائے ہندوستان از پادری برکت اللہ ایم۔ اے ص۳ و ۹۰

[4] دی فور گاسپلز ص۲۵۰

[5] دی فور گاسپلز ص۲۵۳

[6] اس سلسلہ میں قدیم عیسائی لٹریچر کی شہادت کے لئے ملاحظہ ہو Smith, A Concise Dictionary of the Bible P. 527

۴ - یرمیاه ۱۱/۱۰ - یرمیاه نبی کا یہ خطاب آرامی میں ہے -

آرام خصوصاً ان لوگوں کا نام ہے جنکی زبان آرامی تھی - یہ لوگ آرام یا سیرین کہلاتے - یہ سامی نسل کی ایک شاخ تھی جو کہ میسوپوتامیا اور شمالی سیریا (شام) میں بہت سے قبائل اور بستیوں کی صورت میں آباد ہوئے - ان کی زبان دُور دراز کے علاقوں تک پھیل گئی یعنی میسوپوتامیا سے لیکر مصر تک اور کوہستان کی پہاڑیوں سے لیکر کیپے ڈوکیا تک -

آرامی زبان تجارت اور سفارتی اغراض کے لئے آٹھویں صدی قبل مسیح میں استعمال میں لائی جاتی تھی جس کا ثبوت ہمیں آرامی کے ان کتبوں سے ملتا ہے جو کہ نینوہ سے باٹوں اور تجارتی معاہدوں کی صورت میں برآمد ہوئے ہیں - بائیبل میں سفارتی اغراض کے لئے اس زبان کے استعمال کا ذکر سلاطین ۲ ۱۸/۲۶ میں آیا ہے - ۹۰۰ قبل مسیح سے بھی بہت پہلے آرامی زبان اور شاید آرامی حروف بھی سارے شام میں پھیل گئے تھے - اور اس نے ان بابلی میخی حروف کی جگہ حاصل کر لی تھی جو کہ اس سے پیشتر شام میں ۵۰۰ سال سے رائج تھے - فلسطین میں بالآخر آرامی زبان نے عبرانی کی جگہ لے لی - یہی وجہ ہے کہ عہد نامہ جدید میں قریباً تمام کے تمام جو سامی الفاظ پائے جاتے ہیں وہ آرامی زبان کے ہیں ......

...... یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ یہود نے آرامی زبان جلاوطنی کے بعد بابلونیا میں حاصل کی اور وہاں سے واپسی پر ارض کنعان میں لائے -

آرامی زبان پہلے سے ارض کنعان میں پائی جاتی تھی - یہود نے یہ زبان آرامی بولنے والی ہمسایہ اقوام سے میل ملاپ کے ذریعہ حاصل کی[۱] "

۲ - آرامی زبان نے عبرانی کی جگہ کس طرح حاصل کی ؟ جان ڈی ڈیوس کی بائیبل ڈکشنری سے ایک دلچسپ اقتباس درج ذیل ہے :-

" تاریخ یہود کے سنہری دَور میں جبکہ یہود عام طور پر ایک آزاد قوم تھے - انکی زبان جو کہ عبرانی تھی مقابلۃً خالص رہی اور دوسرے دَور میں جبکہ ان کی آزادی سلب ہو گئی (اور آرامی بولنے والی قومیں برسرِ اقتدار آگئیں) آرامی زبان کے الفاظ عبرانی میں مسلسل اور متواتر داخل ہوتے گئے - یہاں تک کہ عبرانی غائب ہو گئی اور اس کی جگہ مکمل طور پر آرامی نے لے لی - حضرت مسیح ناصری کے زمانہ میں عوام الناس آرامی بولتے تھے عام بول چال میں یہی زبان استعمال ہوتی تھی چنانچہ مرکس ۵/۴۱ میں حضرت مسیح کی زبان

۱؎ پیکس تفسیر بائیبل صفحہ ۳۶

کے الفاظ (طالیتھا قومی "اے لڑکی میں تجھے کہتا ہوں اُٹھ") وارد ہوئے ہیں۔ جو کہ آرامی ہیں۔ آرامی یہاں تک عبرانی زبان میں داخل ہوئی کہ نہ صرف عبرانی سراسر آرامی بن گئی بلکہ آرامی نے عبرانی کا نام بھی بحق خود ضبط کر لیا۔ اب عبرانی سے مراد آرامی لی جانے لگی۔ دوسرے لفظوں میں آرامی نے ارضِ کنعان میں عبرانی نام اختیار کر لیا۔ چنانچہ نئے عہد نامہ میں جس جس جگہ "عبرانی زبان" "عبرانی بولی" یا "عبرانی" کا نام آیا ہے اس سے مراد آرامی ہے۔ ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل مقامات :-

یوحنا $\frac{۵}{۲}$ ، $\frac{۱۹}{۱۳-۱۷-۲۰}$ ، اعمال $\frac{۲۱}{۴۰}$ ، $\frac{۲۲}{۲}$ ، $\frac{۲۶}{۱۴}$ ، مکاشفہ $\frac{۹}{۱۱}$ (بائیبل ڈکشنری زیر لفظ Hebrew)

۳۔ اب یہ امر تحقیق طلب ہے کہ کس زمانہ میں آرامی زبان نے عبرانی کی جگہ حاصل کی ؟۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بیلونیا کی جلاوطنی میں یہودی قبائل کی زبان عبرانی کی بجائے آرامی بن گئی۔ ان قبائل کی واپسی پر ارضِ کنعان میں آرامی زبان رائج ہوئی۔ یہ خیال تاریخی لحاظ سے غلط ثابت ہو چکا ہے کیونکہ جلاوطنی سے پہلے بھی ارضِ فلسطین میں یہ زبان رائج تھی۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں جب اہلِ یہودا جلاوطنی میں گئے یہ زبان کافی غلبہ حاصل کر چکی تھی۔ لوگ آرامی بولتے اور عبرانی سمجھتے تھے۔ صحیفۂ دانیال کا تقریباً نصف حصہ آرامی میں لکھا گیا۔ اس کی زبان بیلونیا میں بولی جانیوالی آرامی سے مختلف ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے آرامی صرف بیلونیا میں حاصل نہیں کی بلکہ ہجرت سے پہلے ان کے ملک میں رائج تھی۔ (پیکس تفسیر بائیبل ج ۳ ص ۲۶) آرامی بولنے والی قوموں میں مدت مدید تک رہنے کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ اہلِ یہودا جو کہ آرامی اور عبرانی بولتے گھر سے نکلے عبرانی بھول گئے اور صرف آرامی بولنے لگے۔ اہلِ یہودا کی ہجرت سے ایک سو پینتیس (۱۳۵) سال قبل اسرائیلی اسباطِ عشرہ جلاوطن ہوئے (۷۲۲ قبل مسیح) اس دور میں یہ درست ہے کہ آرامی زبان نے ابھی پورا غلبہ حاصل نہ کیا تھا۔ لوگ عبرانی بولتے تھے لیکن ایک طبقہ آرامی سے بھی شناسا تھا (سلاطین ۲ $\frac{۱۸}{۲۶}$) چنانچہ اس دور کے صحیفوں پر جو کہ بائیبل میں عبرانی زبان میں ہمیں ملتے ہیں آرامی زبان کا اثر نظر آتا ہے۔ ان قبائل نے آرامی زبان جلاوطنی کی زندگی میں پورے طور پر حاصل کی۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ارضِ کنعان کے شمالی حصہ میں بسنے والے اسرائیلی اسباطِ عشرہ آشور کے بادشاہوں کے حملوں میں جلاوطن ہوئے (۷۲۲ قبل مسیح) تو عوام الناس کی زبان عبرانی تھی لیکن وہ آرامی سے بھی مانوس اور آشنا تھے۔ کیونکہ آرام یعنی شام سے قریبی تعلقات کی وجہ سے آرامی زبان بھی ایک حد تک اس حصہ ملک میں بولی اور سمجھی جاتی تھی۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں جبکہ فلسطین کے جنوبی حصہ کے

لوگ بابلی شہنشاہ بخت نصر کے ہاتھوں اسیر ہو کر جلاوطن ہوئے تو اس وقت آرامی زبان کافی غلبہ حاصل کر چکی تھی۔ یہ قبائل عبرانی اور آرامی دونوں زبانیں بخوبی سمجھتے تھے۔ ارضِ کنعان سے جلاوطنی کے بعد بنی اسرائیل کے اسباطِ عشرہ اور اہلِ یہود دہ میسوپٹامیا میں لاکر بسائے گئے۔ اس علاقہ کے لوگوں کی زبان آرامی تھی جس کے باعث یہود و اسرائیل کی مشترکہ زبان عبرانی کی بجائے آرامی بن گئی۔ آشوری سلطنت کے زمانہ میں آرامی نہ صرف درباری زبان تھی بلکہ انہوں نے اس کو ہر زبان پر ترجیح دے رکھی تھی۔ کیونکہ اس سلطنت کی بیشتر آبادی آرامیوں پر مشتمل تھی۔ جرمن فاضل "نولدیکی" ہمیں بتاتا ہے کہ آشوریوں کے زمانۂ سلطنت میں ان کی رعایا کا بہت بڑا حصہ آرامی بولتا تھا۔ آشوریوں کے بعد کلدی یعنی بابلی سلطنت نے غلبہ حاصل کیا اس دور میں بھی آرامی زبان کو بڑی تقویت ملی۔ پھر فارسی حکومت کا دورِ دورہ ہوا (۵۳۶ تا ۳۳۰ قبل مسیح) اس وقت آرامی نے مغربی ایشیا میں اپنا تسلط قائم کر لیا تھا اور فرات سے لے کر بحرِ متوسط تک بولی جاتی تھی اور فرات کے مغربی جانب کے صوبوں کی درباری زبان تھی۔

چونکہ بنی اسرائیل کو عرصۂ دراز تک نہ صرف ارضِ کنعان میں بلکہ جلاوطنی کی زندگی میں بھی آرامی سے واسطہ پڑا اسلئے ان کی مادری زبان عبرانی دخیل الفاظ کی کثرت کے باعث آہستہ آہستہ آرامی میں بدل گئی۔ ویسے بھی آرامی اور عبرانی بہت ملتی جلتی زبانیں ہیں اسلئے یہ تبدیلی آرامی بولنے والی قوموں کے غلبہ و تسلط کے باعث کوئی مشکل امر نہ تھا۔

فارسی سلطنت کے دور میں بنی اسرائیل کا ایک بڑا حصہ ہندوستان کے شمال مغرب اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں آکر بس گیا۔ ان قبائل کو جلاوطنی کے زمانہ میں کم و بیش دو صد سال تک آرامی سے واسطہ پڑا اسلئے ان کی زبان آرامی تھی۔ عبرانی صرف مدرسہ دینیات اور طبقہ علماء تک محدود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ہندوستان کے ان علاقوں میں ایسے آثار برآمد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کسی زمانہ میں آرامی زبان اور اس کا رسم الخط رائج تھا۔ ان آثار کی تفصیل درجِ ذیل ہے:-

۱- ٹیکسلا سے آرامی زبان اور اس کے رسم الخط میں ایک کتبہ ملا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شمال مغربی پنجاب کے اس علاقہ میں آرامی زبان کسی زمانہ میں رائج تھی۔

۲- پنجاب کے شمال مغربی علاقہ اور افغانستان میں بڑی تعداد میں خروشتی حروف میں کتبے اور سکے ملے ہیں۔ خروشتی آرامی حروف کی ہی ایک دوسری صورت ہے۔

۳- قدیم ہندوستان میں آباد ہونے والے یہودی قبائل کی زبان آرامی تھی۔ ان میں سے جو لوگ مسیحی ہوگئے ان کے پاس آرامی انجیل تھی جس کا ذکر تاریخ میں موجود ہے۔

ان امور پر مضمون کے آئندہ حصہ میں بحث ہوگی۔

ہفت روزہ "آزاد نوجوان" مدراس

آزاد نوجوان ایک پُرجوش اسلامی تبلیغی اخبار ہے جو جنوبی ہند سے شائع ہوتا ہے۔ آزاد نوجوان نے عید کے موقع پر ایک خاص تبلیغی نمبر شائع کیا ہے جو اپنے بہترین مضامین اور عمدہ فوٹوؤں کی وجہ سے قابلِ دید ہے۔ [illegible]

بہائی تحریک اور احمدیت

قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی پیشگوئیوں کا کھلا کھلا ظہور

اسلام کا آغاز ضعف کی حالت میں ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت نمائی کے لئے وادی بطحا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا ۔ آپؐ خدا نے ذوالجلال کی رسالت کے ادا کرنے میں بطلِ جلیل ثابت ہوئے ۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا تھا ۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ[1] ؀ ہر دن اور ہر رات اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور خدا کا کلمہ بلند ہوا حتیٰ کہ مخالف بھی پکار اُٹھے کہ محمدؐ عربی سب نبیوں سے زیادہ کامیاب نبی ہیں[2] ۔ اسلام کا عروج ضعف کے بعد ہوا ۔ وہ اس کی صداقت کا نشان ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پیشگوئی قبل از وقت بیان کر دی گئی تھی ۔ اسی ابتدائی زمانہ میں بتایا گیا تھا کہ اسلام کی ترقی کے بعد پھر ایک دَورِ کمزوری کا آئے گا ۔ یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ[3] ۔ کہ لوگ اسلام کی حقیقت سے ناواقف ہوں گے ۔ اسلام کا نام اور قرآن کے الفاظ باقی رہ جائیں گے ۔ یہ بھی خبر دی گئی تھی کہ اس آخری زمانہ میں اسلام کے کچلنے کے لئے اندرونی اور بیرونی فتنے بکثرت پیدا ہوں گے ۔ ان بین یدی الساعۃ فتنا کقطع اللیل المظلم[4] ۔ ان فتنوں میں سے ایک دجالی فتنہ ہے ۔ جس کی مختلف شاخیں ہیں ۔ ان شاخوں میں سے ایک شاخ کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدجال یخرج من ارض بالمشرق یقال لھا خراسان[5] ۔ کہ دجال کی تحریک خراسان سے شروع ہوگی ۔ دوسری حدیث میں آتا ہے انہ خرج خلۃ بین الشام والعراق فعاث یمینا وعاث شمالا[6] ۔ کہ وہ دجال شام اور عراق کے درمیانی راستہ میں سے گزریگا اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا ۔ اس دجال کے زمانۂ زندگی کے متعلق بتایا گیا ہے یمکث الدجال فی الارض اربعین سنۃ[7] ۔ کہ وہ چالیس برس تک رہیگا ۔ دجال کے نصب العین کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے رؤیا میں بیت اللہ کے گرد طواف کرتے دیکھا ہے جس کی تعبیر یہ تھی کہ "یدور حول الدین یبغی لعوج الفساد[8]" ۔ کہ وہ دین اسلام میں کجی تلاش کرنے اور اس میں خرابی پیدا کرنے کی کوشش کریگا ۔ اس دجال کے مقامِ ہلاکت کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ تصرف الملائکۃ وجھہ قبل الشام وھنالک یھلک[9] ۔ کہ ملائکہ اسے مرکزِ اسلام پر

[1] انبیاء آیت ۴۴ ۔ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ قرآن
[3] مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۸ +

[4] مشکوٰۃ ص ۴۶۲ کتاب الفتن [5] مشکوٰۃ ص ۴۷۲ [6] مشکوٰۃ ص ۴۷۴
[7] مشکوٰۃ ص ۴۷۳ [8] مجمع البحار جلد ۳ ص ۳۲۱ [9] مشکوٰۃ ص ۴۷۵ +

حملہ نہ کرنے دیں گے۔ بلکہ اس کا مُنہ ملک شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہ وہیں ہلاک ہوگا۔ اللہ کے صادق ترین نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دجّال کی یہ علامت بیان فرمائی ہے کہ اس کے اتباع جو زیادہ تر اصفہان[1] و ایران کے ہوں گے اسے نبی یا رسول نہ کہیں گے بلکہ اس کے دعویٰ ربوبیت کے ماننے والے ہوں گے۔ وہ مومنوں سے کہیں گے آو منا توءمن بربنا[2] کہ تم بھی دجّال کو ربّ مانو۔ ان احادیث نبویہ میں دجّالی تحریک کی ایک شاخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا، اسلام کی حالت کا کمزور ہو جانا اور خراسان سے ایک دجّالی تحریک کا اُٹھنا اسلام کی صداقت کا ایک اور ثبوت ہے۔

(۲)

ان احادیث میں بیان کردہ علامات کے مطابق بہائی [تح]ریک اس پیشگوئی کی پوری پوری مصداق ہے (۱) بہاء اللہ اور [قر]ۃ العین وغیرہ نے قرآنی شریعت کے منسوخ قرار دینے کی [ساز]ش سب سے پہلے بدشت کانفرنس (علاقہ خراسان) میں کی تھی۔[3] [(۲)] بہاء اللہ شام اور عراق کے درمیانی راستوں میں فساد پھیلاتا ہوا قسطنطنیہ و ادرنہ وغیرہ گیا۔[4] (۳) بہائیوں کا دعویٰ ہے کہ بہاء اللہ کی مدت تقریباً چالیس برس تھی۔[5] بہاء اللہ کا پروگرام یہی تھا کہ کسی طرح اسلامی شریعت میں نقائص ثابت کرے اور اسے منسوخ قرار دیکر مسلمانوں [س]ے اعراض کا انتقام لے[6] (۵) قدرت نے اسے ایران سے نکال کر بغداد اور قسطنطنیہ کے بعد عکا ملک شام میں بند کر دیا یہاں تک کہ اسی علاقہ میں فوت ہوا۔ [(۶)] بہاء اللہ کے اتباع فلسطین، مصر اور ہندوستان وغیرہ میں جو بھی پائے [جا]تے ہیں ان میں سے بڑی تعداد اصفہانی اور ایرانی لوگوں کی ہے (۷) بہائی [لو]گ کہتے ہیں کہ ہم بہاء اللہ کو نبوت یا رسالت سے متصف نہیں مانتے بلکہ اسے مقامِ ربوبیت پر مانتے ہیں۔ لکھا ہے:۔

"ظہور قائم موعود ظہور مقامِ ربوبیت شارعیت است"[1]

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ[2] کہ ہم اسلام کی حفاظت کریں گے اور اسکے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کا ازالہ کرینگے اس دجّالی فتنہ کا کیا علاج بتایا گیا تھا اور کیا وہ علاج پیدا ہوگیا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ دجّالی فتنوں کے استیصال کیلئے مسیح موعود اور مہدی معہود کی بعثت مقدر ہے۔ مسلم کی حدیث میں دجّالی فتنہ کے بعد بعثتِ مسیح کا ذکر ہے[3] اور مہدی کے متعلق حسب ذیل حدیث بہائیوں نے خود پیش کی ہے:۔

"یقیم الدین و ینفخ الروح فی الاسلام یعز الله به الاسلام بعد ذله و یحییه بعد موته"[4]

ترجمہ:۔ مہدی اسلام کو قائم کریگا اور اسمیں روح پھونکیگا۔ اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ اسلام کو پھر عزت بخشیگا اور اسکی پژمردگی کے بعد تروتازگی اور زندگی کے دن لائے گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سیکون فی اٰخر هذه الامة قوم لهم مثل اجر اولهم یأمرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویقاتلون اهل الفتن[5]۔ کہ امتِ محمدیہ کے آخری حصہ میں ایک جماعت ہوگی جنکو صحابہ کی طرح اجر ملیگا۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرینگے اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا مقابلہ کرینگے۔" یہ لوگ مسیح موعود کی جماعت ہے جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ از سرِ نو اسلام کی عزت قائم کریگا اور دجّال جن نقائص کو قرآن مجید کی طرف منسوب کریگا انکا ازالہ کریگا کیونکہ آنحضرتؐ نے رؤیا میں مسیح موعود کو بھی طواف بیت اللہ کرتے دیکھا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ "یطوف حول الدین لاقامة اموره و اصلاح فساده"[6] وہ دین اسلام کی بےنظیر خدمت کریگا۔

[مش]کوۃ ص۴۷۵ [2] مشکوۃ ص۴۷۲ [3] الکواکب عربی جلد ۱ ص۲۱۶ [4] عصر جدید [5] ... ص۲۵ [6] اقتدار ص۴۷

[1] الفرائد ص۶۷۳ [2] الحجر آیت ۹ [3] مشکوۃ ص۴۷۴ [4] الفرائد ص... [5] مشکوۃ ص۵۸۳ [6] مرقاۃ شرح مشکوۃ رحاشیہ ص۲۰۵

(۳)

جب اسلام کے خلاف فتنہ پیدا ہونیکی خبر پوری ہوئی تو ضرور تھا کہ اس فتنہ کا علاج بھی پیدا ہو۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"آخر جبکہ بڑے بڑے صدمات اسلام پر وارد ہوکر تیرھویں صدی پوری ہوئی اور اس منحوس صدی میں ہزارہا قسم کے اسلام کو زخم پہنچے اور چودھویں صدی کا آغاز شروع ہوا تو ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنّت کے موافق موجودہ مفاسد کی اصلاح اور دین کی تجدید کیلئے کوئی پیدا ہوتا سو اگرچہ اس عاجز کو کیسا ہی تحقیر کی نظر سے دیکھا جائے۔ مگر خدا نے اس امت کا خاتم الخلفاء اسی اپنے بندے کو ٹھہرایا ہے"[۱]

بہائیت کی بنیاد اس امر پر تھی کہ قرآنی شریعت منسوخ ہو مگر بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اس زہر کا تریاق پیش کرتے ہوئے فرمایا :۔

(الف) "اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کا تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے"[۲]

(ب) "تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی"[۳]

(ج) "قرآن شریف کے بعد کسی کتاب کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ جس قدر انسان کی حاجت تھی وہ سب قرآن شریف بیان کر چکا"[۴]

(د) "خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے"[۵]

غرض اللہ تعالیٰ نے بہائی تحریک کے علاج کے لئے احمدیت کو قائم کیا اور عین صدی کے سر پر۔ مبارک وہ جو وقت اور ضرورت کو سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کے ساتھ شامل ہو کر حق کی تائید کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"مجھے عین چودھویں صدی کے سر پر جیسا کہ مسیح ابن مریم چودھویں صدی کے سر پر آیا تھا مسیح الاسلام کر کے بھیجا اور میرے لئے اپنے زبردست نشان دکھلا رہا ہے اور آسمان کے نیچے کسی مخالف مسلمان یا یہودی یا عیسائی وغیرہ کو طاقت نہیں کہ انکا مقابلہ کر سکے اور خدا کا مقابلہ عاجز اور ذلیل انسان کیا کر سکے۔ یہ تو وہ بنیادی اینٹ ہے جو خدا کی طرف سے ہے۔ ہر ایک جو اس اینٹ کو توڑنا چاہیگا وہ توڑ نہیں سکیگا۔ مگر یہ اینٹ جب اس پر پڑیگی تو اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگی کیونکہ اینٹ خدا کی اور ہاتھ خدا [illegible]"[۶]

بہاء اللہ ناسخ الاسلام ہونے کا دعویدار ہے۔ اور سیدنا حضرت احمد قادیانی علیہ السلام مسیح الاسلام ہیں۔ ایران سے ہی زہر پیدا ہوا اور ایک فارسی الاصل وجود کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا تریاق نازل فرمایا۔ جس نے سرزمین ہند (ہبط آدمؑ) سے پکارا ؎

پھر دوبارہ ہے اتارا تو نے آدم کو یہاں
تا وہ نخلِ راستی اِس ملک میں لاوے ثمار

وَاللّٰهُ يُعْلِي كَلِمَتَهٗ وَيَنْصُرُ عَبْدَهٗ وَيُؤَيِّدُ حِزْبَهٗ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝

---

۱ چشمہ معرفت ص۳۱۵ ۲ ازالہ اوہام ص۶۰-۶۱ ۳ کشتی نوح ص۲۴
۴ چشمہ معرفت ص۳۲۴ . ۶ کشتی نوح ص۵ ؛